سلسلۂ سوانح معصومین علیہم السلام نمبر (۱۱)

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

طبع جدید

تحفۃ المتقین

۱۳۴۰ھ

یعنی

سوانح عمری جناب امام محمد تقی علیہ السلام

مؤلفہ و مرتبہ

خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

مؤلف

سیرۃ المصطفویہ۔ السیدہ۔ سراج المبین۔ سروحسین۔ ذبح عظیم۔ صحیفۃ العابدین

آثر الباقریہ۔ آثار جعفریہ۔ علوم کاظمیہ۔ تحفۂ رضویہ۔ تحفۃ المتقین۔ سیرۃ النقی۔ العسکری

دُرِّ مقصود

سنہ ۱۹۲۱ء

مطبع مقبول پریس دہلی طبع شد

چودہ ۱۴ معصوم

ان ہادیانِ برحق کی پاک و پاکیزہ زندگی کے مفصّل حالات وسوانح ہمارے قول وعمل بلکہ زندگانی کے لیے بہترنمونہ ہیں، ان کی مقدس سیرت کے مفصل حالات سے اسلامی دنیا آج تک خالی پڑی تھی۔ الحمد للہ کہ یہ شرفِ سعادت سب سے پہلے مقبول پریس کو حاصل ہوا۔ جس نے چودہ کے چودہ معصوموں کی سوانح کا مقدس سلسلہ شائع کر دیا۔ وہ متبرک سلسلہ جسے خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس و آنریری مجسٹریٹ وممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کو آتہ ضلع آرہ نے سالہاسال عمرِ عزیز صرف کرکے بڑی جانکاہی اور عرق ریزی سے ایسے عنوان شایستہ سے ترتیب دیا ہے کہ مسلمان تو مسلمان اقوامِ غیر کے صاحبانِ علم وبصیرت نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا یہانتک کہ ملک کے بعض سر برآوردہ اور لائق زباندانوں نے اس سلسلہ کی بعض کتابوں کو انگریزی اور دوسری زبانوں میں

ترجمہ کرنیکی خواہش

ظاہر کی اور مصنف موصوف سے اجازت چاہی۔ زبان وطرزِ بیان اتنا سلیس کہ بلا پس وپیش اور بے کھٹکے ہر مذہب وملت والے کے سامنے ان سوانح عمریوں کو پیش کر دیجیے، سوائے خوبیوں کے اعتراف کے اعتراض کی گنجائش نہ ہوگی۔ پس کوئی اسلامی گھر تو کم از کم اس مقدس ذخیرہ سے خالی نہ رہنا چاہیے۔ ساتھ ہی حامیانِ ملت اور باہمت احباب کا فرض ہے کہ اس سلسلہ کی تمام کتابوں کو ہر ہر مذہب وملت کے علم دوست افراد تک پہنچانے میں سعی بلیغ سے کام لیں تاکہ اسلام جیسے پاک ومقدس مذہب کی حقانیت ہر مذہب پرست پر واضح اور آشکار ہو جائے، اور اس طرح تبلیغ واشاعتِ دین کا اہم فرض بھی خوبی کے ساتھ ادا ہوتا رہے

اس متبرک سلسلہ کا مہیا کرنا

ہمارا فرض تھا، اب توسیع واشاعت آپ کا فرض ہے جسے پورا کرکے داخلِ حسنات ہونا چاہیے۔

مقبول پریس
گندہ نالہ۔ دہلی

نیاز مند
سید امین الدولہ

سوانح آئمہ کے مبارک سلسلہ کی نویں کتاب

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

تحفۃ المتقین

یعنی

سوانح عمری جناب امام محمد تقی علیہ السلام

مؤلفہ و مرتبہ

مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

رئیس و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کوآتھ ضلع آرہ مؤلف سراج المبین سرو چمن ذبح عظیم مآثر الباقریہ آثار جعفریہ علوم کاظمیہ تحفۂ رضویہ تحفۃ المتقین النقی العسکری اور در المقصود فی احوال المہدی الموعود

در مطبع خادم پریس لاہور باہتمام غلام محمد بٹ طبع گردید

بار چہارم

اُن علما اور ان کتابوں کے نام جن کے مضامین اس کتاب میں لئے گئے ہیں

نمبر	نام کتاب	مؤلف کا نام
۱	صواعق محرقہ	ابن حجر
۲	تاریخ طبری فارسی	عبداللہ بن جریر طبری
۳	روضۃ الصفا	خاوندشاہ ہروی
۴	ینابیع المودۃ	امام سلیمان بلخی قندوزی
۵	فصل الخطاب	خواجہ محمد پارسا
۶	شواہد النبوۃ	مُلّا عبدالرحمٰن جامی
۷	جلاء العیون	مُلّا باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ
۸	لواعج الاحزان	مولوی سید محمد مہدی صاحب
۹	ارجح المطالب	خواجہ عبید اللہ حنفی امرت سری
۱۰	لسان الواعظین	محدث شیرازی علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی اٰلہ الطیبین الطاھرین الی یوم الدین

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ **سیرۃ اہلبیت طاہرین** سلام اللہ علیہم اجمعین کا نواں نمبر بھی جس کو ہم نے **تحفۃ المتقین** کے نام سے موسوم کیا ہے۔ بخیر وخوبی تمام ہوگیا۔ الحمد للہ رب المعبود و ھو مطلوب و مقصود۔ ہمارے سلسلہ کے تمام نمبروں میں یہ سب سے چھوٹی اور مختصر کتاب ہے۔ کیونکہ جس بزرگوار کے حالات اس میں جمع کئے گئے ہیں۔ وہ صرف پچیس برس تک دنیا میں زندہ رہا۔ اور اپنی اتنی قلیل زندگی میں بھی تمام عمر مخالفین اور مخاصمین کے کثیر التعداد مجمع میں بتیس ۳۲ دانتوں میں ایک زبان کی صورت بنا رہا۔ پھر ایسے مجبور اور معذور بزرگ کے حالات کثرت سے نہ مل سکتے ہیں۔ اور نہ اس کی خاص کتاب کا حجم بڑھ سکتا ہے۔ ہاں ارشاد و اقوال لکھ کر مضامین کا سلسلہ بڑھایا جاسکتا تھا۔ مگر ہماری سیرت نگاری کی موجودہ ضروریات سے اُس کو کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا۔ بہرحال اس مختصر سے رسالہ میں اور اس چھوٹی سی کتاب میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات آپ کی ولادت باسعادت کے روز سے لے کر آپ کی وفات حسرت آیات کے آخر دن تک جمع کردئے گئے ہیں۔ اور مامون اور معتصم کے ایام

حکومت کے وہ واقعات بھی پوری تفصیل کے ساتھ خاص طور پر مندرج کر دیئے گئے ہیں۔ جو آپ کی وفات با برکات سے پورا تعلق رکھتے تھے۔ ام الفضل کی مخالفت اور اُس کے خاص اخیر حالات بھی کامل صراحت کے ساتھ قلم بند کئے گئے ہیں۔ سیرت کے متعلق تمام حالات ختم کر کے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے اخلاق مکارم۔ عادات اور اقوال و ارشادات ایک علیحدہ باب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جو ناظرین کتاب کی زیادہ دلچسپی اور قبولیت کا باعث ہوں گے۔ انشاءاللہ المستعان۔

انہیں مضامین کو لئے ہوئے یہ کتاب بھی بزرگان قوم و ملّت کی خدمات میں پیش کی جاتی ہے۔ امید کہ ان کی بالغ نظری اور ذرّہ پروری اس کے رطب و یابس پر نظر غور فرما کر مؤلّف کو دعائے خیر سے فراموش نہ کرے گی ؏۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

بلگرام ضلع ہردوئی۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

۲۶ جمادی الثانی روز دوشنبہ ۱۳۲۸ھ ہجری مطابق ۴ جولائی ۱۹۱۰ء عیسوی

المؤلّف احقر
سید اولاد حیدر فوق بلگرامی
عفاہ اللہ الحامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

اسم مبارک آپ کا **محمد**۔ کنیت **ابو جعفر ثانی** ۔ اور مشہور ترین لقب **تقی** (علیہ السلام) ہے۔ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس طبقہ میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو ابو جعفر اوّل اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو ابو جعفر ثانی کی مقدس کنیت سے ذکر کرتے ہیں۔

ولادت با سعادت آپ کی بعض کتابوں میں پندرھویں یا انیسویں ماہ رمضان المبارک ۱۵۹ھ ہجری میں جمعہ کے دن واقع ہوئی۔ اور بعض کتابوں میں آپ کی ولادت دسویں رجب کو بتلائی جاتی ہے۔ اور عام طور سے علمائے کبار رضوان اللہ علیہم کا اسی پر اتفاق ہے۔

مقام ولادت آپ کا مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً ہے۔ آپ کی ولادت با سعادت امین کے ایام سلطنت میں واقع ہوئی۔ آپ کی والدہ مقدسہ کا نام **سبیکہ نوبیہ** رضی اللہ عنہا تھا۔ اور بعضوں نے **خیزران** رضی اللہ عنہا۔ **ریحانہ** رضی اللہ عنہا۔ اور **سکینہ** رضی اللہ عنہا بھی بتلایا ہے۔ تمام ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ کہ یہ خاتون محترمہ حضرت **ماریہ قبطیہ** رضی اللہ عنہا مادر جناب ابراہیم ابن حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ والہ وسلم کے اقارب سے تھیں۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

علامہ ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ مناقب میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ عُلیہ مکرمہ حضرت حکیمہؓ دختر نیک اختر جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا بیان ہے۔ کہ ایک دن مجھے میرے بھائی حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے بُلا بھیجا۔ میں حاضر خدمت ہوئی۔ تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ بہن۔ آج تم میرے گھر رہ جاؤ۔ خیزران کے بطن سے خدائے تبارک و تعالےٰ آج رات کو ایک فرزند مجھے عطا فرمائے گا۔ جس کی ولادت کی خدمات میں خاص طور پر تم سے متعلق کرتا ہوں حکیمہؓ فرماتی ہیں۔ کہ میں یہ سن کر کمال مسرور ہوئی۔ اور میں نے نہایت مفاخرت سے آپ کے فرمان کی تعمیل کی۔ جب رات ہوئی تو ہمسائے کی دو چار عورتیں اور بھی خدمات ولادت انجام دینے کے لئے بُلالی گئیں۔ جب نصف شب سے زیادہ گزر گئی۔ تو یکایک خیزرانؓ میں وضع حمل کے آثار ہویدا اور آشکار ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر میں اُنہیں حجرے میں لے گئی۔ اور چراغ روشن کر دیا۔ تھوڑی دیر میں آفتاب امامت نے طلوع کیا۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام متولد ہوئے۔ ایسی حالت میں کہ مختون بھی تھے۔ اور ناف بُریدہ بھی۔ میں نے اُسی وقت آپ کو اپنی گود میں لے کر اس طشت پر غسل دینے کے لئے بٹھلا دیا۔ جس کے سامنے چراغ روشن تھا۔ وہ چراغ گُل ہو گیا۔ مگر اُس چراغ کے گُل ہو جانے سے بھی اُس حجرے میں ذرا تاریکی نہیں ہوئی۔ اور اُسی طرح بغیر چراغ کے اُس وقت کی تمام ضروری خدمات اور ضروریات انجام دیتی رہی۔ میں یہ حالت دیکھ کر سخت متعجب تھی کہ اتنے میں میرے برادر گرامی قدر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام تشریف لائے۔ ہم نے اُس مولود مسعود کو جلدی سے کپڑے پہنا کر آپ کی آغوش مبارک میں دے دیا۔ آپ نے بچے کے سر اور آنکھوں کو چوم لیا۔ اور پھر میری گود میں دے کر فرمایا۔ کہ اب تم انہیں گہوارے میں رکھ کر تین دن تک ان کے پاس موجود رہو۔

حضرت حکیمہ خاتون فرماتی ہیں۔ کہ میں آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کے گہوارے کی حفاظت تین دن تک برابر کرتی رہی۔ دو روز تک حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنی آنکھیں نہ کھولیں تیسرے دن آپ نے خود بخود اپنی آنکھیں کھول کر سب سے پہلے آسمان کی طرف دیکھا۔ اور اپنے یمین و یسار نگاہ فرما کر غایت فصاحت اور نہایت بلاغت سے ارشاد فرمایا۔ اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد ا رسول الله صلی الله علیه

وآلہ وسلم میں یہ کیفیت دیکھ کر سخت متعجب ہوئی۔ اور اُسی وقت دوڑتی ہوئی اپنے برادر عالیشان جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں آئی۔ اور ساری روئداد بیان کی۔ آپ سن کر از حد مسرور ہوئے۔ اور فرمایا بہن۔ میرا یہ فرزند دلبند حجت اللہ اور وصی حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس لئے جو عجائب و غرائب اس کی ذات سے عام مشاہدہ میں نہ آئیں۔ وہ تعجب کا مقام اور حیرت کی جگہ نہیں ہو سکتے۔

فرقہ واقفیہ اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

جہاں تک تاریخ وسیر کی کتابوں سے تلاش کی گئی ہے۔ یہ امر ثابت ہوا ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت کے وقت اور اس کے بعد بھی فرقہ واقفیہ کی بہت بڑی شورش کا زمانہ تھا۔ اور وہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی مخالفت میں نہایت شدت کا اظہار کر رہے تھے۔

اپنی تمام گمراہانہ تعزیرات کا دندان شکن جواب پا کر جب اُن غلط فہموں کو کوئی اور اعتراض نہیں ملا۔ تو انہوں نے صاف صاف لفظوں میں اس وقت تک آپ کے لاولد رہنے کو آپ کی امامت کا منافی جانا۔ اور معاذ اللہ کہنے لگے۔ کہ آپ تو عقیم ہیں۔ اور عقیم امام نہیں نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کتاب الصافی شرح اصول کافی میں مرقوم ہے۔

کتب ابن قیاما الی ابی الحسن علیہ السلام کتابا یقول فیہ تکون اماما ولیس لک ولد فاجابہ الحسن علیہ السلام شبہ المغضب وما علمک انہ یکون لی ولد واللہ لا تمضی الایام واللیالی حتی یرزقنی اللہ ولدا ذکرا یفرق بہ بین الحق والباطل۔

یعنی ابن قیاما ئے واقفی نے حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں لکھا۔ کہ آپ کیسے (معاذ اللہ) امام ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ کی کوئی اولاد موجود نہیں۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اُس کو جواب میں لکھ بھیجا۔ تجھے اس امر کا کیسے یقین ہو گیا۔ کہ میرے کوئی اولاد نہیں ہو گی۔ خدا کی قسم بہت دن اور راتیں نہیں گذریں گی کہ خدائے واہب العطایا مجھے ایک فرزند عنایت فرمائیگا۔ جو دنیا میں حق کو باطل سے جُدا کرے گا۔

ابن قیاما نے جو تمام فرقہ واقفیہ میں بہت بڑا صاحب کلام اور مناظرہ کا امام مشہور تھا۔ اس نے اس مسئلہ کو حاضر خدمت ہو کر بھی پوچھا ہے۔ چنانچہ وہ خود ناقل ہے۔

دخلت علی علی ابن موسیٰ علیہما السلام فقلت ایکون امامان قال لا الا واحدھما صامت

فقلت لہ ھو ذا انت ولیس لک صامت ولم یکن ولد لہ ابو جعفر علیہ السلام بعد فقال و اللہ لیجعلن اللہ ما یثبت بہ الحقّ و اھلہٗ و یمحق بہ الباطل و اھلہ فولد لہ بعد سنۃ ابو جعفر علیہ السلام

میں نے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا۔ کہ ایک وقت میں دو کام ہو سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر اس حالت میں کہ ایک ساکت ہو یعنی ایک وصی اور دوسرے کے بعد وہ امام ہو میں نے کہا۔ وہ ساکت آپ ہی امام ہیں۔ کیونکہ آپ کا کوئی وصی نہیں ہے۔ اُس وقت تک جناب امام محمد تقی علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ خدائے تبارک و تعالےٰ مجھے ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا۔ کہ اُس کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ سال ہی بھر کے بعد جناب امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے محمد ابن علی کا بیان ہے کہ حضرت محمد تقی علیہ السلام کی ولادت با سعادت کا مژدہ پاکر آپ نے جملہ حاضرین خدمت کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ کہ میرا یہ فرزند ایسا منتخب اور برگزیدہ ہے جس کی برکت اور عظمت کی مثال آج تک کوئی پیدا ہوئی ہے۔ اور نہ پیدا ہوگی۔ کیونکہ اس کی ولادت کی وجہ سے ہمارے متبعین اور مخصوصین اپنے مخالفین کی ان تعریضوں سے کہ امام عقیم نہیں ہوتا مطمئن اور بے خوف ہو گئے۔

محمد ناقل ہیں کہ اس کے بعد آپ اپنے فرزند دلبند کو خانہ امامت سے باہر نکال لائے۔ اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اس کا پیراہن اتار ڈالو۔ میں نے حسب الحکم وہ ننھی سی قمیص اتار لی۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اس کے شانوں کے درمیان غور سے دیکھو تو۔ میں نے حسب الحکم غور سے دیکھا۔ تو انگوٹھی کے ایسا نشان معلوم ہوا۔ جیسے آپ کے جسم مبارک میں گوشت تک پیوست ہو گیا ہو۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم لوگوں نے دیکھ لیا۔ میرے والد بزرگوار علیہ السلام کے مابین کتفین بھی ایسے ہی نشان تھا۔ یہاں تک تو حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اپنی غایت حسن تدبیری سے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی امامت کے متعلق اپنے تمام مخصوصین اور متبعین کو وصیتاً اور ہدایتاً فرمائی۔ اس لئے کہ اُس زمانہ میں آپ کے مخالفین۔ مذبذبین۔ فرقہ واقفیہ کے لوگ جیسی کچھ شورش کر رہے تھے۔ وہ آنکھوں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ ان کی مغویانہ تحریک و ترغیب سے یہ خوف ضرور تھا۔ کہ ان کی گمراہانہ تحریص مومنین خالصین پر بھی اپنے زہریلے اثر نہ پھیلائے۔ اس لئے قطعی طور پر ضروری ہو گیا تھا کہ آپ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی

امامت کی نسبت ان کا پورا اطمینان کر دیں۔

ہم نے جہاں تک جناب امام رضا علیہ السلام کے حالات کی اس زمانہ میں تحقیق کی ہے۔ ہم کو یہ امر پورے طور سے معلوم ہوا ہے۔ کہ مخالفین زمانہ کی بیجا اور نازیبا کوششوں نے آپ کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ اور ان کی آئے گئے دن کی لاولد ہونے کی فرقیین آپ کے بہت بڑے ملال خاطر کا باعث ہوتی تھیں۔ جب فضل خدا سے لاولد ہونے کا نقص اُن کے حسابوں آپ کی ذات مستغنی الصفات سے زائل ہو گیا۔ اور حضرت واہب العطایا نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ایسا بے مثال نونہال آپ کو عنایت فرمایا۔ تو اب مخالفین کے لئے کوئی اعتراض کا پہلو نہ رہا۔ تو انہوں نے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی کم سنی کی نسبت اعتراض نکالے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی کم سنی میں امام ہونے پر اعتراض

محمد ابن علی ناقل ہیں۔ کہ یہی ابو قیاما حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت کے بعد ایک بار پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میں نے آپ سے ایک مرتبہ قبل از ولادت آپ کے فرزند کے پوچھا تھا۔ کہ آپ کے بعد کون امام ہوگا۔ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ میرا بیٹا امام ہوگا۔ تو خداوند تعالےٰ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا جس سے ہماری آنکھیں روشن ہوگئیں۔ مگر اب یہ تو بتلائیے۔ کہ اگر آپ کی اجل موعود واقع ہو جائے یا اسی کے ایسا کوئی اور موقع پیش آجائے۔ تو پھر کس کی طرف حل مسائل کے لئے رجوع کیا جائے گا۔ آپ نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے بتلایا۔ کہ یہ امام ہے۔ جو نہایت کم سن تھے۔ اور اُس وقت آپ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ ابن قیاما نے عذر کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ابھی تو کل تین برس کے یہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اس سے کیا ہوتا ہے۔ ان کا تین برس کا ہونا ان کی امامت کا منافی نہیں ہو سکتا۔ میرا یہ فرزند تو تین برس کا ہے۔ تم نے نہیں دیکھا ہے کہ سورۂ مریم علیہا السلام میں جناب احدیت عزّ اسمہ نے حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے واقعہ کے متعلق خود جناب عیسےٰ کی زبانی خبر دی ہے۔ کہ انہوں نے اپنی ولادت کے بعد فوراً علےٰ روس الاشہاد تمام حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ اور مجھ کو میرے خدا نے جمیع احکام توریت اور تمام علوم عنایت فرمائے ہیں

جب اوائل ولادت میں اُن کی یہ حالت ہوئی۔ تو تین برس کے سن میں ان کے کمال کو بدرجہ ادلےٰ ہونا چاہیئے۔

یہ حالات و واقعات بتلا رہے ہیں۔ کہ فرقہ واقفیہ کے لوگوں کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ کیسی سخت عداوت تھی۔ اور اُن کا کوئی وقت ایسا نہیں تھا۔ جو آپ کی تعریض سے خالی پایا جاتا ہو۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وراثت اور عموم سادات کی مخالفت

یہ تو وہ دشواریاں تھیں جو جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے متعلق فرقہ واقفیہ کے لوگوں سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو اُٹھانی ہوئیں۔ اب ہم وہ آپ کی مصیبتیں لکھتے ہیں۔ جو آپ کو اپنے عزیز و اقارب کے ہاتھوں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وراثت کے متعلق اُٹھانی ہوئیں۔ یہ تو تحفہ رضویہ میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ ابنائے جناب امام موسی کاظم علیہ السلام نے آپ کو عاجز اور پریشان کرنے میں اپنی مخالفت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں چھوڑا۔ اسی کے سلسلہ میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت کے بعد بھی ان کا ایک سخت مخالفانہ حملہ آپ پر ہوا۔ اس کی خلاصہ کیفیت یہ ہے۔

جب ان لوگوں نے دیکھ لیا۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت سے اُن کی برسوں کی یہ آرزوئیں اور تمنائیں کہ ہم جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے بعد آپ کی تمام جائیداد اور جملہ مال و متاع کے وارث اور مالک ہوں گے۔ بالکل جاتی رہی۔ اور اُنہوں نے اپنی خود غرضی اور نفسانیت کی وجہ سے یہ دعوےٰ پیش کیا۔ کہ جناب امام محمد تقی علیہ السلام رنگت میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام سے نہیں ملتے۔ اس لئے یہ قیاس یقینی طور پر صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے صرف ہم لوگوں کو اپنی وراثت سے محروم رکھنے کے لئے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنا بیٹا قرار دیا ہے۔ ورنہ اس مسئلہ کی کوئی اصلیت نہیں۔

حقیقت میں یہ ایک نئی قسم کی تعریض تھی۔ اور بالکل انوکھی تحریک۔ جس کی مثال بہت کم پائی جائے گی۔ ہم اس واقعہ کی مفصل کیفیت طافی شرح اصول کافی کی عبارت سے تحریر کرتے ہیں۔

عن احمد ابن محمد علی قال سمعت علی ابن جعفر یحدث الحسین ابن الحسین بن علی

ابن الحسین فقال لہ الحسن ای و اللہ جعلت فداک لقد البغی علیہ اخوتہ ونحن ایضا فقال علی ابن جعفر ای و اللہ ونحن عمومتہ بغینا علیہ فقال لہ الحسن اجعلت فداک کیف صنعتم فانی لم احضرکم قال لہ اخوتہ ونحن ایضا ما کان فینا امام قط حائل اللون فقال الرضا علیہ السلام ھو ابنی قالوا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضی بالقیافۃ فبیننا وبینک القیافۃ قال ابعثوا انتم الیھم فاما انا فلا ولا تعلموھم لما دعوتموھم ولیکونوا فی بیوتکم فلما جاءوا اقعدوا فی البستان واصطف عمومتہ واخوتہ واخواتہ واخذ والرضا علیہ السلام البسوہ جبۃ صوف فلبسوہ منہا ووضعوہ علی عنقہ مسحاۃ وقالوا لہ ادخل البستان کانک تعمل فیہ ثم جاءوا ابی جعفر علیہ السلام فقالوا الحقوا ھذا الغلام بابیہ فقال الیس لھٰھنا اب فھو صاحب البستان فان قدمنہ واحدۃ فلما رجع ابوالحسن علیہ السلام قالوا ھذا ابوہ

احمد ابن محمد علی کا بیان ہے۔ کہ میں نے علی ابن جعفر کو جو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے چچا تھے حسن ابن الحسین ابن علی ابن الحسین کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے ہر طرح سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی حمایت فرمائی۔ حسن نے پوچھا کیونکر۔ کیا فی الحقیقت ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں؟ علی ابن جعفر نے کہا۔ ہاں۔ خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ جب ان کے بھائیوں نے ان سے مخالفت کی اور کچھ بھائیوں پر منحصر نہیں۔ ان کے چچا لوگوں نے بھی ان سے اختلاف کیا۔ حسن نے ان کا قطع کلام کرکے کہا۔ کہ ہاں آپ یہ حالات ضرور بیان فرمائیں۔ کہ یہ واقعہ کیسے اور کیوں کر ہوا۔ کیونکہ میں اُن دنوں آپ لوگوں کے ساتھ یہاں موجود نہیں تھا۔ علی ابن جعفر نے کہا کہ آپ کے بھائیوں نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے متعلق آپ کی خدمت میں یہ اعتراض کیا کہ ہم میں سے کوئی امام سیاہ فام نہیں ہوتا۔ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ۔ نہیں۔ یہ میرا ہی فرزند ہے۔ یہ سن کر بھائیوں نے کہا۔ کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی علمائے قیافہ کے فیصلہ (اسامہ ابن زید کے معاملہ میں) پر اعتبار کیا ہے۔ پس اس امر میں جو وہ لوگ ہمارے آپ کے درمیان فیصلہ کردیں۔ اس پر ہم اور آپ دونوں راضی ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں ان کی ضرورت ہو تو بلاؤ۔

مجھے تو ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سن کر ان لوگوں نے چند علمائے قیافہ کو بلا بھیجا اور فیصلہ کے دن ان لوگوں نے تمام سادات کو جمع کیا۔ حتےٰ کہ خواتین کو بھی اس میں شامل کیا۔ اور حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے سب بھائی چچا اور پھوپھیاں ایک قطار میں کھڑی ہوئیں۔ اور خاص حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو اُن لوگوں نے عام مزدوروں کے لباس میں صوف کا ایک جبّہ پہنا کر اور کُداری آپ کے دوش مقدّس پر رکھ کر باغ میں کام کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اس لئے کہ علم قیافہ کے لوگ آپ کو معمولی باغبان سمجھ کر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ابوبیت کا خیال نہ پیدا کر سکیں۔ بہر حال آپ بھی اُسی لباس سے باغ کے اندر کام کرنے کو چلے گئے۔ اور یہ لوگ صف بستہ باغ کے دروازے پر کھڑے رہے۔ اس کے بعد اُن لوگوں نے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کو بُلا کر اپنے پاس کھڑا کر لیا۔ پھر اتنے میں علم قیافہ کے علماء آئے۔ اور اُن لوگوں نے ان سے پوچھا۔ کہ اس کا باپ اس مجمع میں کون ہے۔ جو ہو اُس سے اس کو ملا دیا جاوے۔ یہ سن کر ان لوگوں نے اُس جماعت کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ بغور دیکھا۔ اور فوراً کہا۔ کہ موجودہ لوگوں میں اس لڑکے کا باپ کوئی نہیں ہے۔ لیکن یہ شخص اور وہ شخص اس کے چچا ہیں۔ اور یہ خواتین اس کی پھوپھیاں ہیں۔ پھر ذرا سے تامّل کے بعد اُن لوگوں نے کہا۔ کہ اس مقام پر اگر کوئی شخص اس بچّے کا باپ ہے۔ تو وہی شخص (حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام) جو باغ میں مصروف کار ہے۔ کیونکہ اُس شخص کی رفتار اس بچّہ کی رفتار سے بالکل مشابہت اور مماثلت رکھتی ہے۔ اسی اثنا میں جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام باغ کے اندر سے تشریف لائے۔ تو ان لوگوں نے آپ کا فوراً ہاتھ پکڑ لیا۔ اور یک زبان ہو کر کہا کہ اس لڑکے کے باپ آپ ہی ہیں۔

قال علی ابن جعفر علیہ السلام فقمت فمصصت ریق ابی جعفر علیہ السلام ثمّ قلت اشہد انّک امامی عند اللہ فبکی الرّضا علیہ السلام ثمّ قال یا عمّ الم تسمع ابی وھو یقول قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بابی ابن خیرۃ الاماء ابن النوبیۃ الطیّبۃ الفم والرحم ویلھم لعن اللہ الا علیس وذرّیتہ صاحب الفتنۃ ویقتلھم سنین وشھورا وایاما یسومھم خسفا ویسقیھم کاسا مصبرۃ وھو الطرید الشرید الموتور بابیہ وجدہ صاحب الغیبۃ یقال

حات ادھلك اى داز سئلكُ افیکون ھذا ایا عم الامتی نقلت صدقت جعلت فداك

علی ابن جعفر علیہ السلام کا بیان ہے کہ یہ احوال مشاہدہ کرکے مجھے تاب ضبط باقی نہیں رہی میں بے اختیار ہو کر آگے بڑھا۔ اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے لبہائے مبارک کے بوسے لئے۔ اور کہا کہ آپ بیشک خدائے سبحانہ تعالےٰ کی طرف سے ہمارے امام اور پیشوا ہیں۔ میری یہ حالت ملاحظہ کرکے جناب امام موسی رضا علیہ السلام رونے لگے۔ اور ارشاد کیا کہ اے چچا آپ کو میرے پدر بزرگوار حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی زبانی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث یاد ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ اُس کنیز کے فرزند پر فدا ہوں۔ جو تمام زنان نوبیہ سے بہتر ہے جس کی بوئے دہن خوشگوار اور معطر ہے۔ اور اُس کا رحم تمام آلائش سے پاک ہے۔ قوم اعبس کے لوگ اور ان کی ذریات خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ اور وہ اہل فساد بعد مرور ایام وشہور وسنین معہودہ ہلاک کئے جائیں گے۔ اور اُن کو شراب مرگ پلائی جائے گی۔ صاحب غیبت علیہ السلام کے ہاتھ سے کیا عمّو ایسا آپ نے نہیں سُنا ہے۔ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہوں۔ بیشک میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے ایسا ہی سُنا ہے۔

بہرحال۔ اس واقعہ سے کماحقہٗ معلوم ہوگیا کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے پریشان اور رسوا کرنے میں بھائیوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مگر چونکہ تائید ربانی ان کے مقاصد و اغراض کے مخالف تھے۔ اس لئے ان کو اپنے کسی امر میں سوائے ذلت وپشیمانی کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام پر اگر نہ کا یہ دوسرا حملہ تھا۔ پہلا حملہ جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کے ترکہ اور وراثت کے متعلق تھا۔ جو اوپر لکھا گیا۔ اور دوسرا حملہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولدیت کی نسبت یہ تھا جو ابھی ابھی بیان کیا گیا۔ اور ان دونوں حملات بیجا کا جو نتیجہ نکلا۔ وہ آن کی آنکھوں کے سامنے آگیا یہ واقعہ۔ جو ان حضرات کی دوسری تعریض تھی۔ ایسا لغو اور مہمل تھا جس پر کوئی صاحب تمیز کبھی کوئی توجہ نہیں کرسکتا تھا۔ مگر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی حسن تدبیر۔ عاقبت اندیشی اور امن پسندی کے اعلےٰ نمونے اس پر بھی تھے۔ کہ آپ نے ان کی ایسی لغو اور بے اصل تعریض کی نسبت انہیں لوگوں کی تجویز اور فیصلہ کے مطابق عمل کئے جانے کی شرائط کو قبول ومنظور کرلیا۔ غور کی نگاہ سے دیکھا جاوے۔ تو ثابت ہوجائے گا۔ کہ امام منصوب من اللہ

کی یہ شان۔ اُس کے ذاتی کمال اور مخصوص اوصاف ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنی طرف سے کوئی کام یا کوئی حکم اس وقت تک نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ اُس کی نسبت اپنی حجّت تمام نہیں کر لیتا۔ اس مسئلہ کی نسبت تمامی علمائے قیافہ کا آنا۔ اُن کا فیصلہ کرنا۔ اور ان کے فیصلہ پر جانبین کا رضامند ہو جانا۔ یا اور جو کچھ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اس مسئلہ کے متعلق کیا وہ سب اپنے بھائیوں کے ساتھ اتمام حجّت کی غرض سے تھا۔ کیونکہ ان کی موجودہ خود غرضی اور نفسانیت کو دیکھ کر آپ نے یقین کر لیا تھا۔ کہ یہ اُس کے متعلق کسی ثبوت اور تصدیق پر اعتبار نہیں کریں گے۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ اُس کے لئے جو تدبیر وہ سوچیں اور عمل میں لانا چاہیں اُسی کو منظور کر لیا جاوے کہ بغیر کسی فتنہ و فساد کے جو انواع اقسام کی بدنامی اور ہتک آبرو کے باعث ہوتے ہیں۔ ان کی خود تسکین اور تشفی ہو جاوے۔ اور پھر انہیں کوئی حجّت یا کوئی دلیل آئندہ تعرض کے لئے باقی نہ رہے۔ یہ وجوہ تھے جن کو مدنظر رکھ کر جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے علمائے قیافہ کی تجویز اور فیصلہ پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ ورنہ ان کا فیصلہ آپ کے نزدیک کسی اعتبار کے قابل نہیں تھا۔ اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہ موقع اور ضرورت بھی ایسی ہی تھی۔ اور اُس وقت کی مخالفانہ طبیعتوں کے انداز و آثار بھی ایسے ہی تھے۔ کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام اگر ایک نہیں ہزار ثبوت پہنچاتے۔ مگر یہ حضرات نہ مانتے۔ اور انکار پر انکار کرتے ہی چلے جاتے۔ اس لئے سوائے اس تدبیر کے کہ انہیں کی تجویز پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا جاوے۔ اور کوئی دوسری تدبیر مصلحت وقت نہیں تھی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اس واقعہ میں اپنا تحمّل اور ضبط پورے طور سے دکھلا کر اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے بھائیوں کے اختیار میں دے دیا تھا۔ اور انہوں نے جس ہئیت اور صورت سے چاہا۔ بنا کر علمائے قیافہ کے آگے پیش کیا۔ عام اس سے کہ وہ حیثیت آپ کے موجودہ منصب اور شان سے کیسے ہی خلاف نہ ہو۔ مگر آپ نے اس کی نسبت کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ اور بغیر کسی عذر کے بھائیوں کے حکم کے مطابق ایک معمولی مزدور کی شان میں ہو کر باغ کے اندر کام کرنے چلے گئے۔ کیا دنیا کے وسیع کارنامے میں اس سے بڑھ کر بھی احتیاط۔ سلامت روی۔ صلاح نفسی اور امن پسندی کی کوئی دوسری مثال دکھلائی جا سکتی ہے۔ ہمارا یقین ہے۔ کہ عموماً تمام دنیا ایسے اخلاقی جوہروں سے خالی ہے۔ اور اگر کہیں شاذو نادر ایسی مثالیں ملیں بھی تو وہ خاصان الٰہی کے مخصوص طبقہ تک ضرور

محدود پائی جائیں گی۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی امامت

بہرحال۔ اوپر کے واقعہ کو تمام کر کے ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا سن مبارک اس وقت چار برس سے زیادہ نہیں تھا۔ تو اس حساب سے یہ واقعہ ۱۹۸ھ ہجری میں بزمانہ سلطنت امین پیش آیا۔ یہاں تک آپ کے حالات کی تلاش کی گئی ہے۔ یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ اس واقعہ کے بعد کل ڈیڑھ برس تک اور آپ اپنے پدر عالی مقدار حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی صحبت اور حضوری میں شرف اندوز ہوا کئے۔ ۱۹۹ھ ہجری کے آخر میں مامون نے آپ کو مدینہ سے مرو میں بلا بھیجا۔ ۲۰۱ھ میں ولی عہد بنایا اور ۲۰۲ھ ہجری میں شہید کر دیا۔

ان وجہوں سے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرات آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس طبقہ میں جتنی جلد یتیمی اور بے پدری کی مصیبت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اٹھائی اتنی کسی اور بزرگ نے نہیں۔ اشفاق اور فیوض پدری سے مستفید اور مستفیض ہونے کا جس قدر کم موقع آپ کو ملا ویسا کسی اور بزرگ وار کو نہیں۔ اور کچھ انہیں امور پر منحصر نہیں۔ ہم نے یہاں تک آپ کے حالات پر غور کیا ہے۔ یہ امر ثابت ہوتا ہے۔ کہ ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین میں سب سے قلیل زمانہ امامت کے متعلق آپ ہی نے پایا ہے۔ اور اس مقدس دائرے میں کسی بزرگ وار نے اتنی کم سنی میں وفات نہیں پائی۔ جتنے تھوڑے سن میں آپ نے رحلت فرمائی عمر شریف کل پچیس برس کی تھی۔ کہ آپ نے تنگنائے فانی سے وسعت آباد جاودانی کی طرف نہضت فرمائی۔

کم سنی میں آپ کے امام ہونے سے بہت بڑے مفید اور ضروری مصالح معلوم ہوتے ہیں جن لوگوں کو امام کی پوری معرفت ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ امام منصوب من اللہ کے لئے مساوات فی المدارج ضروری ہے۔ تفاوت سن اور عمر کی کمی و بیشی اعتبار اور شمار کے قابل نہیں۔ کیونکہ اسی سن میں اور اتنی ہی عمر میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات آپ کی جامعیت اور قابلیت آپ کے اوصاف و کمال کو اپنے مقدس بزرگواروں کی پوری مثال ثابت کر رہے ہیں۔ آپ کو اپنی اسی کم سنی میں عرب کے ایسے ایسے علمائے متبحرین اور فضلائے کاملین سے مباحثے اور مناظرے کے مختلف اور متعدد موقعے پیش آئے

جو اپنی قابلیت اور استعداد کے اعتبار سے تمام اہل عرب کے سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز خیال کئے جاتے تھے۔ مگر ان مناظروں اور مباحثوں کے تمام جلسوں میں آپ نے اپنے مقابل علماء کی اونچی گردنوں کو ایسا نیچا کر دیا۔ کہ پھر اُن کو آپ کے سامنے سر اٹھانے کی مطلق جرأت نہ ہوسکی اور ان کے سخت سے سخت مسائل کے ایسے کافی جواب دئے۔ کہ ان لوگوں کو سوائے انفعال کے پھر کسی آئندہ قیل و قال کی مجال نہیں ہوئی۔ ان کے سکوت عاجزانہ کو ملاحظہ فرما کر پھر اپنے اپنی طرف سے بھی سوال کئے۔ اور وہ ان کے جواب میں ایسے ساکت اور خاموش ہوئے۔ کہ اپنی ندامت کا سر نیچے سے اوپر نہ اٹھا سکے۔ جیسا کہ آئندہ واقعات سے پوری تفصیل کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ انشاء اللہ المستعان۔

ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ امام منصوب من اللہ کی تحصیل و تکمیل اس کے سن اور عمر پر موقوف نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُس کی تحصیل کے تمام ذریعے وہی ہوتے ہیں۔ نہ کسی پھر وہی طریقوں کو طول عمر یا امتداد ایام کی کوئی مجبوری لازم نہیں آتی۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی قلیل العمری نے کامل طور پر ثابت کر دیا۔ کہ آپ کی تحصیل بالکل وہی طریقہ سے ہوئی تھی۔ کیونکہ ہر شخص آپ کی جامعیت اور استعداد قابلیت کے حالات پڑھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ آپ کے قبل حضرات ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین میں اکثر بزرگ واروں نے ایک زمانہ محدود تک اپنے اپنے امام لاحق کی خدمات تحصیل کا شرف و استفادہ حاصل فرمایا ہے۔ بخلاف اُن ذوات مقدسہ کے۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو تو اتنا موقع بھی نہ ملا۔ روز ولادت سے لے کر کل پانچ برس تک آپ کو اپنے والد بزرگوار کی صحبت و خدمت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد حضرت امام موسی رضا علیہ السلام مامون کے پاس تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر دو برس کے بعد شہید کر دئے گئے۔ تو اس صورت میں مثل اور بزرگواروں کے آپ کا اپنے پدر عالی مقدار کی خدمت میں ایک خاص مدت تک رہ کر تحصیل علوم کی تکمیل کرنا۔ اور اپنے معلومات کو کمال کے انتہائی درجہ تک پہنچانا ثابت نہیں ہوتا اور ہر شخص ظاہری طور پر آپ سے آپ بھی سمجھ لے سکتا ہے۔ کہ جس بچہ نے کل پانچ برس تک اپنے قابل اور ذی لیاقت پدر عالی مقدار کی صحبت میں تحصیل علم کی ہو۔ اس کی مقدار علمی کہاں تک پہنچی ہوگی۔

مگر نہیں۔ جب آپ کے علمی مباحث پر نظر کی جاتی ہے۔ اور اُن اہم سے اہم اوراق سے

اوق مسائل پر غور کیا جاتا ہے۔ تو ثابت ہوتا ہے کہ [illegible] ہیں آپ نے ایسے موقع [illegible] کو واقعی کسی شخص کی تعلیم و تدریس کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ اگر پانچ برس کیا کبھی زمانہ صحبت و ملازمت پدری کا آپ کو نہ ملتا تب بھی آپ کی جامعیت اور قابلیت کی یہی کیفیت ہوتی۔ اس لئے ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی کم سنی نے امام منصوص من اللہ کی تفضیل کو وہبی طریقہ پر حاصل ہونا ایسے قوی دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ پھر اس میں کسی کو کوئی عذر اور کلام باقی نہیں رہتا۔

بہرحال۔ یہاں تک تو وہ حالات تھے۔ جو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی طفولیت اور کم سنی کے متعلق حدیث و سیر کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کو بالکل کم سنی کے زمانہ سے مختلف اقسام کے مصائب برداشت کرنے ہوئے۔ ۱۹۸ھ ہجری میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام مرو تشریف لے گئے۔ اور آخرکار آپ کو انہیں لوگوں کے ہمراہ مدینہ میں رہنے کی مجبوری ہوئی۔ جن کی بے دردی۔ بے مروتی اور بے اتفاقی کے حالات اوپر ظاہر ہو چکے ہیں۔

ان حالات کو پڑھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو اپنے فرزند دلبند کی مفارقت اختیار کرنے میں کیسی سخت مجبوری حائل تھی۔ اور آپ کو موجودہ زمانہ میں ان کو تنہا چھوڑ کر چلے جانے سے آپ کو کیسا صدمہ ہوا ہوگا۔ اسی طرح حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بھی اپنے والد بزرگوار سے جدا ہوتے ہوئے کیسا سخت رنج و ملال [illegible] ہوا ہوگا۔ مگر مخالفین کی مجبوری اور سنگدلی کی ایسی ناگوار حالتیں قائم تھیں۔ جو کسی طرح ایک کو دوسرے کے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ بہرحال۔ اتنا لکھ کر ہم اپنے سلسلۂ مضامین کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے رخصت وفات سے لے کر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مدت حیات تک گزرے ہوئے واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

مامون کے بقیہ ایام سلطنت

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے معاملات سے فراغت کر کے مامون اپنے تمام لشکر کے ساتھ خراسان سے بغداد کی طرف بڑھا۔ اور یلغار پر یلغار کرتا ہوا بہت جلد بغداد پہنچا۔ اور یہاں پہنچ کر اس نے بغداد کی مہم حمید طوسی کو سپرد کر کے اس کو ایک بڑی فوج جرار کے ساتھ

دار الخلافت کی طرف بھیجا۔ اور آپ حلوان سے اُٹھ کر حدودِ عراق میں داخل ہوا۔ اور یہاں کی بدنظمیوں اور بدامنیوں کی اصلاحوں کی طرف متوجہ ہوا۔

حمید طوسی نہایت ہوشیار اور تجربہ کار فوجی افسر تھا۔ اس نے بغداد میں پہنچتے ہی سب سے پہلے وہاں کی پریشان حال اور برخاستہ خاطر فوج کو اپنی سازش میں لے لیا۔ اور فوج کے بعد رعایا کی اضطرابی حالتوں میں بھی دل جوئی اور تشفی کر کے پورا سکون اور اطمینان پیدا کر دیا۔ اور انہیں دونوں طریقوں سے اس نے ابراہیم کی شکست اور اُس کی گرفتاری کے پورے انتظام کر لئے۔

ابراہیم بھی بڑا چلتا پرزا تھا۔ وہ حمید کے ایسے جہاندیدہ افسر کی ماموری کی خبر پاتے ہی موقع سے ہٹ گیا۔ اور بغداد کی امارت عیسٰے ابن خالد المرادی کو سپرد کر دی۔ اور خود روپوش ہو گیا۔ بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ بغداد سے نکل کر واسطہ اور واسطہ سے بصرہ پہنچا۔ مگر اس اطراف میں ماموں کی آمد آمد کی خبر سن کر پھر بغداد آنے پر مجبور ہو گیا۔ بعض تاریخیں یہ بتلاتی ہیں۔ کہ نہیں وہ کہیں نہیں گیا۔ اور شروع سے لے کر آخر تک بغداد ہی میں رہا۔ اگرچہ اس کو امارت سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ مگر وہ بغداد میں ایسی احتیاط اور ہوشیاری سے اپنے آپ کو چھپائے رہا۔ کہ اس کی مخالف پارٹی کو اس کا مطلق سراغ نہ لگا۔

ابراہیم کی شکست

بہرحال حمید طوسی اور ابراہیم کے نائب عیسٰے ابن خالد المرادی کے فیمابین مقابلہ کی نوبت آہی گئی۔ یہ مقابلہ صرف ظاہری طور پر برائے نام کیا گیا۔ اہل فوج کے نام تو عیسٰے رجسٹر میں درج تھے۔ مگر اُن کے قلوب کلیتاً حمید کی طرف پہلے ہی مائل ہو چکے تھے۔ پھر وہ کیا لڑتے۔ غرض ایک چشم زدن میں حمید نے عیسٰے کی تمام جمعیت کو بغداد کے بیرونی حصہ میں کامل شکست پہنچائی فوج پسپا ہو کر بغداد کے قلعہ شاہی میں واپس آئی۔ اب سنئے۔ یہاں پہنچ کر افسران فوج نے حمید کو لکھ بھیجا۔ کہ تم جلدی سے قلعہ میں چلے آؤ۔ تو ہم ابراہیم کو فوراً گرفتار کرا دیں۔ حمید کو جب افسران فوج کا یہ خط ملا۔ تو وہ فوراً اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دار الخلافت بغداد میں بلا مزاحمت داخل ہو گیا۔ مگر قبل اس کے کہ حمید قلعہ بغداد میں داخل ہو کر اُس کی گرفتاری کا کوئی بندوبست کر سکے ابراہیم قلعہ بغداد سے نکل گیا۔ اور حمید ہاتھ مل کر رہ گیا۔

حمید ۱۵ محرم ۲۰۳ھ ہجری کو پورے طور سے دار الخلافت بغداد پر قابض ہو گیا۔ اور اُس نے رعایا اور اہل فوج کی دلجوئی اور مزید اطمینان کے پورے سامان درست کر لئے۔ شہر کی آبادی

رعایا کی نگرانی اور حفاظت۔ اہل فتنہ اور فساد اور دیگر جرائم پیشہ لوگوں کی پوری سیاست کی۔ جو آئے گئے دن رعایا کے لئے انواع واقسام کی پریشانی اور ایذا رسانی کا باعث ہوتے رہتے تھے۔ اُسے اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ رعایا اور اہل فوج دونوں فریقے حسن اہل سہل سے سخت ناراض تھے۔ اُس کی تنگ دلی اور جزرسی اور سخت گیری دونوں طبقوں کے کمال ملال کا باعث ہوئی ہے۔ اس لئے اُس نے اپنے امور کے استحکام اور استحفاظ کے خیال سے پہلے رعایا کے آرام و آسائش کا تو یہ انتظام درست کیا جیسا کہ لکھا گیا اہل لشکر کی خاطرداری اور دلجوئی اسطرح کی گئی۔ کہ اُن سے ماموں کی بار دیگر بیعت اور اطاعت کے مستحکم اقرار لئے گئے۔ اور اُن کو تین تین مہینے کی پیش گی تنخواہیں تقسیم کردی گئیں۔ جو اُن فاقہ مستوں کی کمال خوشنودی اور اطمینان کا باعث ہوا۔ ان لوگوں کے مزید اطمینان اور تشفی خاطر کے لئے حسن ابن سہل کو اُس کے جنوں کی حالتوں میں سراج غلام کی حراست میں سپرد کیا۔ اور وہ طبیب شاہی جو ماموں کی طرف سے اُس کے ظاہری اور مصنوعی علاج کے لئے مامور تھا۔ سراج کے ہمراہ کردیا۔ سراج نے حسن کو پھر ایک علیحدہ مکان میں رکھ دیا۔ اور طبیب شاہی ماموں کی خاص تجویز کے مطابق اس کا علاج کرتا رہا۔

ماموں کا بغداد میں داخلہ اور عباسیوں کی دلجوئی

حمید نے اپنے محاسن لیاقت اور ذی استعدادی سے بغداد کے تمام امور درست کر لئے سالہا سال کی بدنظمی اور پُرآشوبی کی خراب و برباد حالتوں میں امن و امان کی صورت پیدا کردی۔ رعایا اور فوج دونوں کی ابتر حالتوں کو سنبھال لیا۔ اور اُن کو شریر اور مفسدہ انگیز لوگوں کے پنجہ سے نکال لیا۔ اور ماموں کی گئی گزری اور مٹی مٹائی سلطنت کو بار دیگر پھر زندہ کر لیا۔ یہ سب کچھ تو ہوگیا۔ مگر تاہم وہ عباسیوں کے اختلاف کی کوئی اصلاح نہ کر سکا۔ جو ان تمام خرابیوں کے اصلی باعث ہو رہے تھے۔

حمید بہت بڑا تجربہ کار اور بیدار مدبر تھا۔ اس نے اس سلسلۂ شاہی سے جو اقارب سلطانی ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ کسی فوری تحریک اور ایک باری چھیڑ چھاڑ کو قرین مصلحت نہ سمجھا۔ بلکہ اپنی رعایت ہوشیاری اور عاقبت اندیشی سے اُن کو ان کی موجودہ حالتوں میں چھوڑ دیا۔ اور اُن سے کسی قسم کی کوئی تحریک نہیں کی۔ مگر ہاں جب فوج اور رعایا کو جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اُن سے توڑ کر اپنی طرف ملا لیا۔ اور اس ترکیب سے ان کی مجموعی قوتوں کا کامل استیصال اور اُن کی بدسوتی

امیروں کو پامال کر چکا۔ تو یہی سیاسی بھی سمجھے کہ آہن را آہن می شکند۔ سچ ہے فوج اور رعایا
کے لوگ بہ ثبات اور طیور ہر جا اور دیکھ کر وہ بھی اپنے مقام سے جنبش نہ کر سکے۔ اور جہاں تھے وہیں بیٹھے
کے بیٹھے رہ گئے۔ اور حمید کے کسی امر میں مداخلت کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کی اصلی وجہ یہی تھی۔ کہ
ان لوگوں کے تمام امور رعایا اور فوج کے زوروں پر تھے۔ اور وہ اس وقت حمید کے زیر اثر آ چکے
تھے۔ پھر وہ حمید سے مخالفت کا قصد کرتے تو کس قوت پر۔ انہیں مجبوریوں کی وجہ سے وہ
سب چپکے سے خاموش رہے۔ اور کچھ نہ کر سکے۔ ہاں انہوں نے ابراہیم کو قلعہ سے پوشیدہ
نکل جانے میں مدد پہنچائی۔ اور کچھ ایسی ترکیب کی۔ کہ وہ حمید کے آنے سے پہلے بغداد کے
قلعہ سے چل دیا۔ حمید طوسی نے عباسیوں کی تنبیہ اور اصلاح حال کو مامون کی تجویز سلطانی
اور تدبیر خسروانی پر اٹھا رکھا۔ اور بغداد کا پورا انتظام کر کے اس نے مامون کی خدمت میں یہاں کے
تمام و کمال حال لکھ بھیجے۔ مامون یہ خبر سن کر طوس سے اٹھا۔ اور ہمدان کے راستہ سے رے کے
نواح میں پہنچا۔ اور وہاں سے واسط ہوتا ہوا بصرے کی راہ سے بغداد میں داخل ہو گیا۔

آخر ماہ صفر ۲۰۴ ہجری کو مامون بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اپنے آبائی دارالحکومت
میں داخل ہو گیا۔ مامون نے راستہ ہی سے طاہر ذوالیمینین کو بغداد میں بلا بھیجا تھا۔ اور وہ
مصر و شام کی پچاس ہزار جرار فوج ہمراہ لئے بغداد میں پہنچ گیا۔ اس کی کثرت جمعیت اور شان
و شوکت سے سارے بغداد کی زمین دہل گئی۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حمید نے عباسیوں کے معاملات کو مامون کی آمد پر اٹھا رکھا تھا
چنانچہ مامون نے آتے ہی ان کی تنبیہ اور اصلاح کی طرف پوری توجہ فرمائی۔ مامون اس
وقت اپنے استحفاظ و استحکام سلطنت کی فکروں میں سراپا غرق تھا۔ اور جس طرح اس سے
پہلے وہ اپنے تمام کاروبار دوسروں کے اختیار میں چھوڑے ہوئے تھا اسی طرح وہ فی الحال
اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتا تھا۔ اور اس میں دوسروں کی بہت کم مداخلت ہوتی تھی۔
اس کا یہ طرز عمل اس وقت سے شروع ہوا تھا۔ جس وقت سے اس کو حجاز و
عراق کی بد امنی کے حالات حسن ابن سہل کے اس آخری اطلاع نامے
سے معلوم ہوئے تھے۔ جن کو اس نے براہ راست حضور سلطانی میں بھیجا
تھا اور اسی بنا پر اس نے فضل ابن سہل۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام اور ہرثمہ
کو قتل کرایا تھا۔ اس وقت اس کے دربار میں قدیم امرا میں سے سوائے حمید طوسی

اور طاہر ذو الیمینین کے اور کوئی دوسرا باقی نہیں تھا۔ جو لوگ تھے وہ جدید اور تازہ منصب یافتہ۔

بغداد کے موروثی تخت حکومت پر متمکن ہوکر مامون نہایت حزم و احتیاط سے جس کے لئے وہ خاص طور پر مشہور و معروف تھا۔ بنی عباس کی ترتیب۔ اصلاح اور دلجوئی کی تدبیریں کرنے لگا تھا۔ وہ حقیقت میں ظاہر داری اور عیاری کا پتلا۔ اور اپنی تدبیر و ہوشیاری کا تیار مجسمہ۔ اس نے اپنے ایک ہی لٹکے میں بنی عباسیوں کے ایسے قدیم مخالف کی تمام جماعت کو فوراً اپنا مطیع و منقاد بنالیا۔ اور پھر ایسا کہ وہ اس کے آگے سوائے گردن جھکانے کے سر اوپر اُٹھانے کی ذرا بھی جرأت نہ کرسکے۔ اس کی کیفیت یہ ہے۔ کہ مامون نے سمجھ لیا تھا۔ کہ بنی عباس کی عام ناراضی کا سبب حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولیعہدی ہے۔ تو آپ کا وجود ذی جود تو اب باقی ہی نہیں ہے۔ اب جب تک کہ ان کے ساتھ میں اپنے خلوص و اتحاد کا پھر از سر نو اظہار نہ کرونگا۔ اور اپنے محاسن سلوک کے عمل اُن کے مقابلہ میں اور وسیع نہ کئے جاویں گے۔ اُن کی خاطر خواہ تشفی اور کامل اطمینان نہیں ہوسکتا۔ اور ان کے معاملات کبھی اصلاح پذیر نہیں ہو سکتے۔ ان ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر اس نے پہلا حکم جو بغداد کے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی نافذ فرمایا وہ فوج شاہی کی سبز رنگت کی تبدیلی اور اہل افواج کے ملبوسہائے جنگی کا تغیر تھا۔ اُس نے حکم شائع کیا۔ کہ رایت سلطانی کا رنگ اور اہل لشکر کی پوشاک جو سبز ہوا کرتی تھی۔ وہ قدیم دستور کے مطابق پھر سیاہ کردی جاوے۔ اور کوئی دوسرا رنگ اس کے خلاف نہ اختیار کیا جاوے۔ اس حکم کے نفاذ کے بعد اس نے فوراً اپنے چھوٹے بھائی ابی اسحاق ابن ہارون کو جو المؤتمن کے نام سے مشہور تھا اپنی ولیعہدی کے لئے نامزد کیا۔

معتصم باللہ کی ولیعہدی

اس مسئلہ کی ترتیب اور اس امر کا اعلان یوں کیا گیا۔ کہ مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اپنی ولایت کا منصب نہ دیکر اور اس کی جگہ اپنے بھائی ابو اسحاق المؤتمن کو تفویض امارت فرماکر اپنی ظاہری عدالت اور استغنا کا ایسا ثبوت پہنچایا۔ کہ بنی عباس کے برگشتہ قلوب پھر اس کی متابعت اور فرمانبرداری کی طرف رجوع کرنے لگے۔ علم سبز کی جگہ سیاہ کا ہونا۔ سادات کی جگہ پھر بنی عباس کا ولیعہد اور وارث تخت مقرر کیا جانا۔ اُن کی تسخیر قلوب کے سہل لٹکے تھے۔

بہرحال مومن کی ولیعہدی کے خاص مسئلہ پر مامون نے بہت بڑے اہتمام اور انتظام کے ساتھ اپنے تمام ارکین دولت امرا، سلطنت اور عمائد اور اکابرِ دار الحکومت کے عام جلسہ میں سب سے اقرار لئے اور اپنی طرف سے بھی اُس کی ولیعہدی کے اقرار اپنے دستخط و مہر سلطانی سے کامل اور مستحکم کر دئے۔ ان باتوں نے بنی عباس کو مامون کا پھر اپنا بنا لیا۔ قدیم مخالفت اور سابق کی تمام شکایتیں بالکل جاتی رہیں جن کی وجہ سے وہ آج تک ہمیشہ مامون کے خلاف میں کوشش کر رہے تھے۔

یوں تو جس کے جی میں آئے۔ وہ کہے۔ مگر ایک مُدبّر اور علم تدبیر کا تجربہ کار تا مامون کے ان تغیر اپند خیالات کو دیکھکر اتنا ضرور کہیگا۔ کہ مامون کو اپنے مدبروں پر آپ اعتبار نہیں تھا۔ اس لئے اس کی تدابیر ملکی میں استقلال اور پائیداری بہت کم تھی۔ ابھی چار برس پہلے جو اُس نے انتظام کئے تھے۔ وہ موجودہ انتظام کے بالکل خلاف اور برعکس تھے۔ ان قدیم احکام اور انتظام کے اصدار اور نفاذ کے وقت اس کی اصابت رائے سے یہ یقین ہوتا تھا۔ کہ مامون اپنے اختیار کردہ اور تجویز شدہ انتظامات سے کبھی اختلاف نہیں کرے گا۔ اور ان معاملات کے کامل استحکام سے پوری امید تھی۔ کہ خلیفہ عصر پر چاہے جیسا وقت نہ آجاوے۔ مگر وہ اپنے موجودہ انتظامات میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کریگا۔ مگر افسوس ابھی پورے تین برس بھی نہ گذرے تھے۔ کہ وہ سارے انتظام درہم و برہم کر دئے گئے۔ اور وہ تمام دفتر گاؤ خورد ہو گئے۔ اور آخر کار مامون نے عاجز آکر اپنے حفظ سلطنت کے لئے وہی قدیم طریقہ اور سابق دستور قائم کئے۔ جو اس سے پہلے سابق سلاطین عباسی نے اپنے اپنے ایام حکومت میں جاری کئے تھے۔ اس لئے عموماً یہ کہا جاتا اس طریقہ سے صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ مامون نے اپنی سلطنت کو ایک جدید طریقہ پر چلانے کی کوشش کی تھی۔ اور اس امر خاص کا تمام سیاسی دنیا میں اپنے آپ کو موجد تسلیم کرانے کی کوشش کی تھی۔ مگر نہ چل سکی۔ اس لئے اس نے عاجز آکر اپنے خاص امور کے رفاہ و اصلاح کی غرض سے اپنے جدید طرز عمل کو بالکلیہ ترک کر کے وہی پرانا دستور اور قدیم طریقہ اختیار کیا۔ اس سے بڑھ کر اس کی رائے کی کمزوری اور تدبیر کا ضعف اور کیا ہو گا۔

ہم اس کے ضعف تدبیر کے ساتھ ہی اُس کے ضعف ایمان کی قدیم بحث کو بھی بار دیگر یاد دلاتے ہیں جس کو ہم اُس کے شیعہ ہونے کی بحث میں پوری تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں۔ مومن کی ولیعہدی کے انعقاد سے اُس کا ضعف اعتقاد بھی کامل طور پر ثابت ہو گیا۔

طبری کے اسناد سے تحفہ رضویہ میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ مامون نے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے ساتھ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ولی عہد

ہونے کا بھی اقرار کیا تھا۔ تو اس بنا پر فی الحال اس کو ابو اسحاق موتمن کے ولیعہد بنانے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اگر مامون اپنی شرائط کا سچا اور معاہد کا پکا تھا۔ جو ایک فرمانروا کے خاص اور صاف اور مخصوص فرائض ہونے چاہییں۔ تو اس کا پہلا فرض تھا۔ کہ وہ اپنے قدیم معاہد پر ضرور قائم اور مستقل رہتا۔ اور اپنی شرط کے مطابق حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے انتقال فرمانے کے بعد جناب امام محمد تقی علیہ السلام کو اُن کی جگہ پر حسب الاقرار معین کرتا۔ اور پھر کسی دوسری تجویز کو عمل میں نہ لاتا۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ اصل میں اُس کے تمام طرزِ عمل وقتی حیلے تھے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ اس لئے اُس نے معمولی طور پر جیسا وقت دیکھا ویسا کام کیا۔ کہاں کا استحقاق اور کیسا عہد و میثاق۔ پھر ایسی صورت میں کون ایسا شخص ہوگا۔ جو اس کے طرزِ عمل کو راستی خلوص اور عقیدت پر مبنی بتلائے گا۔ اور اس کو کامل الایمان اور راسخ العقیدہ شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ شیعہ کامل الایمان اور صالح الاعمال ہونا تو درکنار ہم مامون کو معمولی انسانوں کی طرح راستباز اور صادق الوعدہ ثابت کرنا بھی نہایت دشوار سمجھتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے۔ کہ مامون نے اس وقت ہر طرح سے مجبور ہو کر اپنے بزرگان سلف کے دستور کو اختیار کیا۔ اور عباسیوں کی رضامندی اور اطمینان کے باعث سے اپنی سلطنت اور شاہی کے لئے وہی قدیم شعار اور معیار اختیار کئے۔ جو ہمیشہ سے دولت عباسیہ میں جاری اور ساکنی تھے۔ پھر کیا تھا ابو اسحق موتمن جو اُس کے بعد المعتصم کے لقب سے خلیفۂ وقت تسلیم کیا گیا۔ ولیعہد قرار دیا گیا۔ اور سبز رنگ کی جگہ سیاہ رنگ جو قدیم سے سلطنت عباسیہ کا خاص معرکہ قرار پا چکا تھا سیار دیگر اختیار کیا گیا۔

ابراہیم کی زندہ گرفتاری

جب مامون کو بغداد کے انتظام سے پوری فراغت اور کامل اطمینان ہو گیا۔ تو اس نے ابراہیم ابن مہدی کے زندہ گرفتار کرنے کی فکر کی۔ ابراہیم تو جدبیا چلتا پرزا اور پھر تیلا تھا۔ وہ ساری دنیا کو معلوم تھا۔ وہ مامون کے آنے سے پہلے عورتوں کے لباس میں روپوش ہو گیا۔ اور اُسی حالت میں مدت تک اِدھر اُدھر پوشیدہ رہا۔ مامون نے متعدد جاسوس مختلف مقاموں پر اُس کی گرفتاری کے لئے مقرر کر دئے۔ اور وہ اُس کو بعد از تلاش بسیار اُسی ہیئت اور حیثیت میں گرفتار کر لائے۔ مامون نے اس وقت ابراہیم کے لئے صرف یہی سزا تجویز کی کہ اس کو کوتوال شہر کے حوالے کر کے یہ حکم عام دیا کہ ہر شخص کوتوالی میں جا کر اُسی ہیئت اور صورت

میں اُس سے ملاقات کرے۔ تمام شہر کے لوگ ابراہیم کے تماشہ کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اور کوتوالی کی عمارت میں ایک میلہ لگ گیا۔ جو اس کو اس شکل و صورت میں دیکھتا تھا۔ ہنستے ہنستے لوٹ جاتا تھا۔ ابراہیم کی خاص خجالت و ندامت اور رسوائی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں تھی۔ جب چار روز گزر گئے۔ تو مامون نے اپنے چچا کے تمام قصوروں کو معاف کر کے تبدیل لباس کا حکم دیا۔ اور عباسیوں کے خوف کی وجہ سے اس کی آئندہ سیاست پر جرات نہ کر سکا۔ بلکہ برخلاف اس کے اس کو اپنے خلعت خاص سے سرفراز فرما کر پھر اپنا مصاحب خاص بنا لیا۔ انہیں واقعات کی خاص رعایت سے ابراہیم کی کنیت ابن شکلہ آج تک تمام تاریخوں میں مشہور و مسطور ہے۔

بابک خارجی کے معاملات

۲۰۵ھ ہجری میں بابک کے معاملات پیش ہوئے۔ بابک اصل میں ایک نئے مذہب کا بانی اور جدید طریق کا موجد تھا۔ اور حقیقت میں وہ ملحد تھا۔ اور سخت ملحد۔ چونکہ ہم کو اس کے عقائد کے دریافت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس لئے ہم اس کی تفصیل کو غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں۔ اس کے مفسدوں نے علاقہ آذربائیجان سے لے کر بلقان تک رفتہ رفتہ ایسی قوت پکڑی کہ مامون نے جو لشکر اس کے مقابلہ میں بھیجا۔ وہ ناکامیاب واپس ہوا۔ اور اس کے اکثر اعلےٰ اور تجربہ کار افسر معرکۂ جنگ میں ضائع ہوئے چنانچہ ۲۱۲ھ ہجری میں محمد ابن حمید طوسی اس کے مدافعہ کے لئے بھیجا گیا۔ اور وہ اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ وہیں قتل کیا گیا۔ محمد کے بعد مامون نے طاہر ابن حسین ذوالیمینین کے جیسے تجربہ کار سپہ سالار فوج کو اس کی مہم پر تعینات کیا۔ طاہر اس کے مقابلہ پر پہنچا۔ مگر وہ اپنے بھائی کے انتقال کی خبر پا کر اپنے خانگی معاملات کی ترتیب اور درستی کی ضرورت سے واپس آیا۔ اس کی واپسی سے بابک اور قوی دل ہو گیا۔ اور اس کے تمام امور روز بروز قوت پکڑتے گئے۔ ابھی تک ان معاملات کا کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا۔ کہ مصر سے عبدوس نامی شخص کی بغاوت کی خبر آئی۔ اور مامون چاروں طرف سے سخت انتشار و اضطرار کی حالتوں میں گرفتار ہو گیا۔

مامون اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

ہم مامون کے ملکی حالات اور اس کے انتظامی معاملات آگے بیان کریں گے۔ ان سے

پہلے ہم وہ واقعات اپنے سلسلۂ بیان میں درج کرتے ہیں جن سے مامون اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے خاص معاملات معلوم ہوتے ہیں

ہم اپنے اوپر سلسلہ بیان میں تفصیل تمام بیان کرتے آئے ہیں کہ مامون حسن تدبیر کا پتلا اور عیاری کا تازہ کرشمہ تھا۔ اس نے عباسیوں کی ناراضی کو اپنے استحکام خلافت کے لئے باعث مضرت سمجھا۔ پھر اس کی تسکین و تشفی کے لئے اس نے بغداد میں آکر جو جو سامان کئے اور جتنے الامکان ان کو اپنی طرف سے راضی اور خوشنود کیا۔ وہ اوپر بیان ہو چکا۔

یہ تو عباسیوں کے معاملات تھے۔ سادات کی ہمت اور ذاتی دلیری سے بھی مامون ابھی تک ویسے ہی خائف اور متردد تھا۔ جیسے عباسیوں کی اندرونی سازش اور خفیہ رخنہ اندازیوں سے۔ اس لئے اس کا اصلی مقصود یہ تھا۔ کہ جس طرح عباسیوں کے امور مصالحت مرتب کر لئے گئے۔ اسی طرح سادات کے معاملات بھی یہ مساہلت درست کر لئے جاویں۔ یہ تجویز اس کے دل میں جاگزین اور یہ خیال اس کے ذہن نشین تھا کہ اسی اثناء میں مامون نے ایک دن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد کے چند لڑکوں کے ساتھ ایک گلی میں کھیلتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت سن آپ کا نو برس یا اس سے کچھ زائد کا ہوگا۔ مامون اپنے شاہی جلوس کے ساتھ اس وقت شکار کھیلنے کے قصد سے نکلا تھا۔ امیر کی سواری کو دیکھ کر سب لڑکے تو بھاگ گئے۔ صرف جناب امام محمد تقی علیہ السلام بالنفس النفیس کھڑے رہے ہم اس واقعہ کی پوری کیفیت صواعق محرقہ کی اصلی عبارت سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

وو قف محمد و عمرہ تسع سنین فالقی محبتہ فی قلبہ فقال لہ یا غلام ما منعک من الا صراف فقال لہ یا امیر لم یکن بالطریق ضیق فاوسعہ لک ولیس لی جرم فاخشی والظن بک حسن ان تضر من لا ذنب لہ فاعجبہ کلامہ وحسن صورتہ فقال ما اسمک واسم ابیک فقال محمد ابن علی الرضا علیہما السلام فترحم علیہ وعلی ابیہ وساق جوادہ وکان معہ بزاۃ للصید فلما بعد عن العمران وارسل بازا علی دراجۃ فغاب عنہ ثم عاد فی منقارہ سمکۃ و تعجب من ذالک غایۃ العجب ورجع فرای الصبیان علی حالھم ومحمد ابن علی علیہما السلام فدنا منہ وقال یا محمد علیہ السلام ما فی یدی فقال یا امیر ان اللہ تبارک و تعالی خلق فی بحر قدرتہ سمکا صغارا یصیدھا بزاۃ الملوک والخلفاء فیختبرھا سلالۃ اھل المصطفی علیہم السلام فقال لہ انت

ابن الرضا علیہ السلام
یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کھڑے رہ گئے۔ اس وقت آپ کی عمر نو برس کی تھی۔
مامون نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو دیکھا۔ تو اُس کے دل میں امام علیہ السلام کی محبت
پیدا ہوگئی۔ اور وہ آپ سے پوچھنے لگا۔ کہ اے لڑکے تم کیوں نہ بھاگ گئے۔ آپ نے جواب
دیا۔ کہ اے امیر۔ رستہ تنگ نہیں تھا۔ کہ میں آپ کے خوف سے بھاگ جاتا۔ اور میرا گمان بھی
آپ کی نسبت ٹھیک تھا۔ کہ بغیر کسی قصور کے آپ کسی کو نہ بھگائیں گے۔ مامون کو آپ کا
یہ کلام نہایت پسند آیا۔ اور آپ کی صورت بھی اس کو بھلی معلوم ہوئی۔ پھر اُس نے پوچھا
تمہارا اور تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ محمد ابن علی الرضا علیہم السلام
مامون کو یہ سن کر آپ پر اور آپ کے والد بزرگوار پر بہت ترس آیا۔ اور وہاں سے اپنا
گھوڑا بڑھایا۔ مامون اس وقت شکار کھیلنے نکلا تھا۔ اور اس کے ہمراہ چند باز تھے۔
جب آبادی سے دور نکل گیا۔ تو باز کو ایک تیتر پر چھوڑا۔ وہ غائب ہوگیا۔ پھر لوٹ آیا۔
تو اُس کی چونچ میں ایک چھوٹی سی مچھلی تھی۔ مامون یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ اور
وہاں سے واپس ہوا تو پھر لڑکے ویسے ہی کھیل رہے تھے۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام
کے سوا سب کے سب بھاگ گئے۔ مامون نے قریب جا کر آپ سے پوچھا۔ کہ بتلائیے تو
میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ آپ نے بکمال فصاحت و بلاغت یوں ارشاد فرمایا۔ کہ
خدائے تبارک و تعالےٰ نے اپنے دریائے قدرت میں ننھی ننھی مچھلیاں پیدا کی ہیں جن کو
بادشاہوں کے باز شکار کرتے ہیں۔ اور اہلبیت مصطفےٰ علیہم السلام کے فرزند اُن کی
خبر دیا کرتے ہیں۔

اس واقعہ سے ہمارا یہ بیان کہ منصب امامت نہ وقت اور زمانہ کا محتاج ہے۔ اور نہ سن
و سال کا۔ اس کا اعتبار عمر کی کمی و بیشی پر نہیں ہوتا۔ پورے طور سے تمام دنیا کے نزدیک
ثابت ہوگیا۔

کیونکہ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اس وقت آپ کا سن ہرگز نو برس سے زیادہ کا نہیں
تھا۔ ممکن تھا۔ کہ اپنے سن کے اعتبار سے کھیلنے والی لڑکوں کی جماعت کے ساتھ آپ بھی کھیلنے
لگتے۔ تو اس وقت معمول اور عادات پر اعتبار کر کے آپ کا اُس وقت کھیلنا کبھی قابل اعتراض
اور لائق استعجاب نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر نہیں واقعات تو بتلا رہے ہیں۔ کہ کھیلنے والی

لڑکوں کی جماعت سے آپ بالکل علیحدے کھڑے تھے۔جس سے یہ ثابت ہوتا تھا۔کہ آپ کو ان کے معاملات سے کوئی واسطہ اور کوئی سروکار باقی نہیں ہے۔اور آپ باوجود کم سنی کے اپنے اوقات عزیز کو معمولی بچوں کی طرح بیکار لہو ولعب میں صرف کرنا پسند نہیں فرماتے۔جن لوگوں نے خاصان خدا اور برگزیدگان حضرت رب العلا کے مقدس حالات اور واقعات کو دیکھا ہے۔وہ پورے طور سے جانتے ہیں۔کہ اس مبارک طبقہ میں ہر نفس قدسی برکت اپنے طرز عمل میں بچپن سے لے کر ضعیفی اور کہولیت کے آخر زمانہ تک ایک ہی طرح اور ایک ہی وضع کا پایا جاتا ہے۔ان کی معرفت کے کمال احتیاط اور مآل اندیشی کے محاسن اخلاق اُن کی وسیع تہذیب اور ان کی اعلےٰ شائستگی کم سنی کے زمانہ میں بھی دیسی ہی ہوتی ہے۔جیسی جوانی اور بڑھاپے میں۔غرضکہ اُن کی حقیقت اور معرفت کے انکشاف یوم ولادت سے لے کر وقت وفات تک برابر اور یکساں ہوتے ہیں جس طرح جناب یحییٰ علےٰ انبینا وآلہ وعلیہ السلام نے اپنے ایک ہم سن اور ہمسایہ بچے کو جس نے اُنہیں کھیلنے کے لئے بلایا تھا۔جواب دیا۔کہ "ہم تمہارے ساتھ نہ جائیں گے۔کیونکہ ہم دنیا میں کھیلنے کے لئے نہیں پیدا کئے ہیں"۔ بالکل اسی طرح جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے بھی اُس وقت مامون کو راستہ سے مثل اور لڑکوں کے نہ ہٹ جانے کی معقول اور کافی وجہ دکھلا کر بتلا دیا کہ خاصان الہی کے علوم حقیقت اور کمال معرفت میں ان کی کم سنی اور قلیل العمری کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں آتا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ ماموں کے ظاہری سلوک

بہر حال جس طرح صواعق محرقہ کی تحریر سے اوپر معلوم ہو چکا ہے مامون جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے ایسے کافی اور کامل جواب سے کمال متاثر ہو کر اور یہ معلوم کر کے کہ آپ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے فرزند دلبند ہیں۔اور بھی زیادہ آپ کا شیفتہ اور فریفتہ ہو گیا۔اور اسی وقت آپ کو اپنے ہمراہ قصر الامارۃ میں لیتا گیا۔ایک تو آپ کی جامعیت استعداد اور قابلیت کے بے مثال اور عدیم الزوال کمال کو دیکھ کر آپکی حد سے زیادہ تعظیم وتکریم کرنے لگا۔اور دوسرے اپنے اُن مخالفانہ معاملات کی ظاہری تلافی اور اپنی ان عیّارانہ حرکات کے پوشیدہ رکھنے کی غرض سے جنہیں وہ آپ کے والد بزرگوار کے ساتھ پیش کر چکا تھا۔آپ کی سب لوگوں سے زیادہ قدر ومنزلت

کرنے لگا۔

بہر حال جو وجہ تسلیم کی جائے۔ اس میں کلام نہیں کہ اسی وقت سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مامون کے ساتھ بغداد کے قصر شاہی میں رہنا ہوا۔ مامون نے اپنی ظاہرداری کے اصول پر جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی تعظیم و تکریم میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ہر روز آپ کو دربار شاہی میں بلواکر اپنے قریب بٹھلاتا تھا۔ آپ کے ارشاد و ہدایت بنیاد سن کر مستفیض و مستفید ہوتا۔ مامون کی صحبت ہمیشہ علماء اور فضلاء سے بھری رہتی تھی۔ اور اس کے دربار میں علم و حکمت کے بڑے بڑے مشہور و معروف جاننے والے موجود رہتے تھے۔ مامون کو اکبر کی طرح علماء کے مختلف مباحث اور دلائل سننے کا بڑا شوق تھا۔ اور وہ نہایت دلچسپی سے ان مباحث کو سنا کرتا تھا۔ اور اس طرح اس کو ان تمام علما میں ایک دوسرے کی جامعیت اور قابلیت کا بخوبی اندازہ ہو جایا کرتا تھا۔ اکبر اور مامون کے ان مباحث علمیہ کے شوق میں فرق تھا۔ تو اس قدر کہ اکبر کو صرف ان کا شوق ہی شوق تھا۔ مگر اس میں کوئی ذاتی جامعیت اور علمیت موجود نہیں تھی۔ بخلاف اس کے مامون تمام معقولات و منقولات سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ اس لئے اکثر اوقات علماء کے متنازع فیہ مسائل کا فیصلہ اپنی علمی قوت اور تحقیقات سے کیا کرتا تھا۔ جس سے اس کی استعداد اور جامعیت کی پوری کیفیت معلوم ہوتی تھی۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے تشریف فرما ہونے سے ان جلسوں کی رونق اور بھی زیادہ ہو گئی۔ مامون معمولی طور سے روز اپنی صحبت کے موجودہ علما میں سے ایک نہ ایک کو آپ کی خدمت میں مختلف مسائل علمیہ پوچھنے کے لئے آمادہ اور تیار کر دیتا تھا۔ اور وہ حکم شاہی پاکر آپ کی خدمت میں استفادہ حاصل کرنے کی غرض سے یا آپ کا امتحان لینے کی ضرورت سے اپنا سوال عرض کرتا تھا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ان کے سوال کا جواب دیتے تھے۔ اور مامون اور اس کی صحبت کے تمام حاضرین آپ کے ان جوابات کو سن کر مستفیض ہوا کرتے تھے۔ ان مناظرات میں سے ہم صرف اس ایک مناظرے کا حال ذیل میں مندرج کرتے ہیں جو آپ کو سواد اعظم کے بہت بڑے جید عالم قاضی ابن یحییٰ اکثم سے پیش آیا۔ مگر ہم اس مناظرے کے اصل حالات کے بیان کرنے سے پہلے اس کے واقع ہونے کے اصلی اسباب

لکھے دیتے ہیں۔ تب ہم اس کی پوری کیفیت درج کریں گے۔ انشاءاللہ المستعان۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے معاملات میں مامون سے عباسیوں کی مخالفت

یہ تو معلوم ہو چکا ہے۔ کہ مامون نے جن ترکیبوں سے عباسیوں کو اپنی خلافت پر راضی کر لیا۔ تھا۔ وہ بھی اُس کے حسن تدبیر کے کافی ثبوت ہیں۔ ایک تو عباسی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اُس کے پہلو میں مبیٹھا دیکھ کر یونہیں جلے مر رہے تھے۔ اس پر قیامت یہ ہوئی کہ چند روز کے بعد مامون نے اپنا یہ قصد ظاہر کیا کہ اپنی چھوٹی لڑکی اُمّ الفضل کا عقد امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا جاوے۔ یہ سنتا تھا کہ عباسیوں میں ہلچل پڑ گئی۔ ان کا ہر شخص فرداً فرداً حسد و نفسانیت کی آگ میں جل بھُن کر خاک ہونے لگا۔ آخر انہیں تاب ضبط باقی نہ رہی۔ تو وہ سب کے سب مامون کے پاس بگڑتے ہوئے آئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ آپ پھر ہمارے مقابل میں ترجیح بنی فاطمہؑ کے معاملات پیش کرنے لگے۔ جو خدا خدا کر کے ابھی ابھی ہمارے آپ کے درمیان طے ہو چکے ہیں۔ ہم نہیں جانتے۔ کہ سادات کے پاس کیا رہ گیا ہے۔ جو خلیفۂ عصر اُن کے خلوص عقیدت کے مقابلہ میں اپنی اور اپنے سارے خاندان کی قدر و منزلت اور شان و شوکت کو خاک کئے دیتا ہے۔ ہم سنتے ہیں۔ کہ آپ نے ام الفضل کی تزویج کی تجویز امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کی ہے۔ یہ پیوند اور یہ قرابت ہماری سب کی رائے کے محض خلاف ہے۔ امّ حبیبہ کے عقد سے کیا فائدہ اُٹھا ہے۔ جو ام الفضل کی تزویج سے آئندہ متمتع ہونے کی امید کی جاوے۔ خیر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام اگر اور کچھ نہیں تو باعتبار سن و سال کے قابل تعظیم تو ضرور ہو چکے تھے۔ مگر یہ بچّہ تو ابھی محض بچہ ہے پھر اس کی تعظیم و تکریم بڑے بڑے علماء سے کرانا۔ اور تمام مقربان سلطانی سے اُس کو اعلےٰ مراتب سلطانی عطا فرمانا عقل کے خلاف اور دور از انصاف ہے۔

مامون نے عباسیوں کی موجودہ تعریض کو حرف بحرف سن تو لیا۔ مگر عباسیوں میں اتنا مادہ اور ایسا جوہر کہاں۔ جو اُس کے حسن تدبیر کے انتہائی مقاصد اور مطالب تک پہنچتے۔ اور جن مقاصد اور فوائد کے لئے اس نے یہ اصول اختیار کئے تھے۔ اس کو سمجھتے۔ چنانچہ صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر تحریر کرتے ہیں۔

داخل معہ واحسن الیہ دبالغ فی اکرامہ ولم یزل مشفقا بہ صما ظھر لہ بعد ذالک من فضلہ وعلمہ وکمال عقلہ وظھور برھانہ مع صغر سنّہ وعزم علی

تزویج بنته ام الفضل وصمم علی ذالک فمنعه العباسیون من ذالک خوفا من ان یعهد الیه کما عهد الی ابیه فذکروهم انما اختاره لتمیزه علی کافة اهل الفضل علما و معرفتا وحلما مع صغر سنته فتنازعوا فی اتصاف محمد ابن علی علیهما السلام

مامون پھر آپ کو اپنے ہمراہ لیتا گیا۔ اور نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اور بہت مبالغہ کرتا گیا۔ آخر اُس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اپنی چھوٹی بیٹی ام الفضل کے نکاح کرنے کا قصد کیا۔ بنی عباس اس خوف سے مانع آئے۔ کہ ان کے باپ کی طرح سے کہیں یہ بھی ولی عہد نہ بنائے جائیں۔ مامون نے عباسیوں سے کہا۔ کہ میں نے باوجود اس صغر سنی کے تمام اہل فضل پر باعتبار علم فضل اور حلم کے آپ کو اس امر خاص کے لئے منتخب کیا ہے۔ تاہم بنی عباس آپ کے ان اوصاف کی نسبت تعریض کرتے چلے ہی گئے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اور قاضی ابن اکثم سے مناظرہ

مامون اپنے ارادہ کا پکا اور اس امر خاص میں اپنی زبان کا سچا تھا۔ عام اس سے کہ اُس کا یہ ارادہ اور وعدہ حق ہو یا ناحق اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ فی الحال مامون کی تجویز و تدبیر میں کسی غیر کی مداخلت نہیں تھی۔ اس کے سترہ سال کے مختلف طرز عمل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کے ابتدائی ایام میں جس طرح فضل ابن سہل وغیرہ امرائے ممالکت کی صلاح ومشورہ کا پابند اور مجبور تھا۔ اُسی طرح اپنی سلطنت کے آخر زمانہ میں بغداد کی حکمرانی کے وقت سے لے کر آخر وقت تک وہ بالکل آزاد اور خود مختار ہوگیا۔ اور پھر ایسا کہ وزیر سے لے کر معمولی امیر تک کوئی متنفس اُس کی تدبیر و تجویز سے اختلاف و انحراف کی ذرا بھی جرأت نہ کرسکتا تھا۔

اس لئے مامون نے بنی عباس کے موجودہ اختلاف رائے کی کوئی پروا نہیں کی۔ بلکہ اُن سے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ کہ تم اپنے اطمینان کے لئے موجودہ علماء وفضلائے زمانہ کی جماعت میں اُن (حضرت امام محمد تقی علیہ السلام) کی جامعیت اور کمال کا امتحان لے لو۔ اور ان کے مایۂ استعداد اور پایۂ اجتہاد کی کامل طور پر آزمائش کرلو۔ عباسیوں نے مامون کی اس رائے کو مان لیا۔ اور بغداد کے مشہور و معروف قاضی یحییٰ ابن اکثم کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے امتحان کے لئے منتخب کیا۔

اسلامی تاریخوں میں عام طور سے اس مناظرے کی بہت بڑی شہرت ہے۔ اور چھوٹے بڑے تمام مورخین اور مؤلفین نے اس کی علیحدہ علیحدہ کیفیت پوری تفصیل کے ساتھ درج کی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ مجلس اتنے بڑے وسیع پیمانے پر قائم کی گئی تھی۔ کہ ارکین دولت اور معززین مملکت کے علاوہ نوسو ۹۰۰ کرسیاں صرف علماء و فضلاء کی جماعت سے بھری تھیں۔ جن پر ایسے ایسے صاحبان سواد اور اہل استعداد علماء بیٹھے ہوئے تھے۔ جو اپنے فضل و کمال کے اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب کے مایۂ ناز اور باعث اعزاز تسلیم کئے جاتے تھے۔

بہر حال۔ اس میں شک نہیں۔ امام منصوب من اللہ کے سوا چاہے دنیا کا کوئی کیسا ہی عالم زبردست کیوں نہ ہوتا۔ مگر وہ ماموں کے اس سلطانی جلسہ کی سطوت اور جلالت دیکھ کر ضرور دب جاتا۔ اور حریف کے سوالوں کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ پس و پیش ضرور کرتا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہ ہوتی۔ بلکہ اکثر اوقات تو یہ بات بشریت کی ضروریات سے شمار کی جاتی ہے۔ مگر ؎

کتاب بحر ترا آب بحر کافی نیست | کہ تر کنم سر انگشت و صفحہ بشمارم

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے روحانی محامد و اوصاف اور حقانی مراتب و مدارج کو اس اتنے بڑے جلسہ کی کیا پروا تھی۔ آپ کے کمال ذاتی پر نہ سطوت سلطانی حاوی ہو سکتی تھی۔ نہ رعب و داب خسروانی۔ ہم اس عظیم الشان مناظرے کی کامل تفصیل بھی صواعق محرقہ کی اصلی عبارت سے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

ثم تواعدوا علی ان یرسلوا الیہ من یختبرہ فارسلوا الیہ یحیی ابن اکثم و خواص الدولۃ فامر المامون بفرش حسن لمحمد علیہ السلام فجلس علیہ فسالہ یحیی مسائل فاجابہ باحسن جواب فقال لہ الخلیفہ احسنت یا ابا جعفر علیہ السلام فان اردت ان تسال یحیی ولو مسئلۃ واحدۃ فقال لہ ما تقول ثم قال رجل نظر الی امراۃ اول النہار حرام ثم حلت لہ عند ارتفاع الشمس ثم حرمت علیہ عند الظہر ثم حلت لہ العصر ثم حرمت علیہ المغرب ثم حلت لہ العشاء ثم حرمت علیہ نصف اللیل ثم حلت لہ الفجر فقال یحیی لا ادری فقال محمد ابن علی علیہما السلام امۃ نظرھا اجنبی دھو حرام ثم اشتراھا عند عند ارتفاع النہار داعتقہا لظہر و تزوجہا العصر و ظاہر منہا المغرب و کفر

العشاء وطلقها دجيعا نصف الليل و راجعها الفجر فعند ذالك قال المامون للعباسيين قد عرفتم ما تنکرون۔

ان لوگوں نے مقرر کیا۔ کہ ہم ایک ایسے آدمی کو لائیں گے جو ان امور میں ان کا امتحان کرے۔ اس بات کے لئے ان لوگوں نے اس زمانہ کے زبردست عالم اور بے نظیر مناظر یحییٰ ابن اکثم کو پیش کیا۔ سب ارکین دولت اس وقت جمع تھے۔ خلیفہ نے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے لئے ایک پرتکلف مسند بچھانے کا حکم دیا۔ جب آپ نے اس پر جلوس فرمایا۔ یحییٰ نے آپ سے چند مسائل پوچھے۔ آپ نے اُن کے دلائل واضح سے جواب دئے۔ خلیفہ نے کہا یا ابا جعفر علیہ السلام آپ نے بہت اچھی طرح ان کے مسائل کا جواب دیا ہے۔ مگر آپ بھی یحییٰ سے ضرور سوال کیجئے۔ آپ نے یحییٰ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ کہ تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو۔ کہ صبح کو ایک مرد نے ایک عورت کی طرف دیکھا اور وہ اس وقت اُس پر حرام تھی۔ پھر آفتاب کے طلوع ہوتے وقت وہ اس پر حلال ہوگئی۔ پھر ظہر کے وقت اس پر حرام ہوگئی۔ اور پھر عصر کے وقت اس پر حلال ہوگئی۔ پھر مغرب کے وقت اس پر حرام ہوگئی۔ پھر عشا کے وقت اس پر حلال ہوگئی۔ پھر آدھی رات گئے حرام ہوگئی۔ اور پھر صبح کو حلال ہوگئی۔ یحییٰ نے کہا کہ میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ صبح کو ایک مرد اجنبی نے ایک کنیز کی طرف دیکھا۔ اور وہ اس وقت اس پر حرام تھی۔ اور آفتاب کے طلوع کے وقت اس نے اس کو خرید لیا۔ وہ اس پر حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اس نے اس کو آزاد کر دیا۔ حرام ہوگئی۔ عصر کے وقت اُس سے نکاح کر لیا۔ حلال ہوگئی۔ مغرب کے وقت اُس سے ظہار[1] کیا۔ تا وقتیکہ کفارہ حرام ہوگئی۔ پھر عشا کے وقت کفارۂ ظہار ادا کر دیا حلال ہوگئی۔ پھر آدھی رات کو اُسے طلاق رجعی دی۔ حرام ہوگئی۔ صبح کو پھر اُس سے رجوع کر لیا۔ حلال ہوگئی۔ یہ سن کر مامون نے عباسیوں سے کہا۔ کہ جس بات پر تم جھگڑتے تھے۔ اب تو تم نے اُسے بخوبی دیکھ لیا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے اُمّ الفضل کا عقد

بہرحال۔ مامون کے اس عظیم الشان جلسہ کی یہ روئداد تھی۔ جو صواعق محرقہ کی معتبر اور مستند

[1] ظہار۔ بالکسر گفتن مرد زوجہ را کہ تو بر من ہمچو پشت مادر منی۔ وازیں گفتن زن بر او حرام می گردد۔ تا کفارہ ندہد حلال نمی باشد۔ منتخب ۱۲

عبارت سے کامل تفصیل کے ساتھ اوپر لکھی گئی۔ مگر علامہ ابن حجر کے ایسے کامل محقق نے اس مناظرے کی تمام کیفیت تو درج کر دی۔ مگر نہیں معلوم قاضی صاحب کے اُس مسئلہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جو انہوں نے اتنے بڑے عظیم الشان جلسہ میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے امتحان لینے کی غرض سے پوچھا تھا۔

جہاں تک ہم علامۂ موصوف کی اس عمداً فروگذاشت کی نسبت غور کرتے ہیں۔ ان کے اس تجاہل عارفانہ کی خاص کر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ علامۂ موصوف کو قاضی صاحب کی مشہور و معروف استعداد و جامعیت کے سامنے ان کے مسئلہ اور ان کی شکست کا پورا حال لکھتے ہوئے اور آخر میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے جواب کافی پاکر خفیف۔ نادم اور پشیمان ہونے کا مفصل ذکر بیان کرتے ہوئے ضرور ندامت آئی۔ اس لئے اس مسئلہ کو جو ایک اتنے بڑے زبردست عالم کی شہرت۔ جامعیت۔ اور قابلیت کے زوال کا باعث ثابت ہوتا ہو۔ پوری تفصیل کے ساتھ لکھ دینا گوارا نہ فرما سکے۔ اور اپنی کتاب میں صرف اتنا لکھ کر ٹال گئے۔ کہ یحییٰ نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے چند مسائل پوچھے آپ نے بدلائل واضح ان کے جواب دئے۔ اور بس۔ مگر ہم اپنی کتاب میں قاضی صاحب کے سوالوں کو چھپانا کسی طرح پسند نہیں کرتے۔ ہم ان کے مسائل کو حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ اور پھر اُس کے جواب بھی جو جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف سے دئے گئے۔ اس کو بھی مندرج کرتے ہیں۔

الحاصل روز معین کو سب اراکین دولت اور اعیان مملکت اور علماء و فضلائے دارالخلافت کی کثیر جماعت مامون کے دربار شاہی میں جمع ہوئی۔ مامون نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بلا کر اپنے پہلو میں مسند شاہی پر بٹھلایا۔ اور آپ کے پہلو میں دونوں طرف دو تکیئے رکھوا دئے۔ قاضی صاحب بھی اپنے مقام پر موجود تھے۔ مامون سے پوچھنے لگے۔ کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان صاحبزادے سے چند مسائل پوچھوں۔ ماموں نے کہا۔ کہ آپ کی تہذیب کا تو یہی مقتضی ہے۔ کہ دریافت مسائل کے لئے انہیں سے اجازت لی جاوے۔ جن سے اُن مسائل کا استفسار مقصود ہے۔ یہ سن کر قاضی صاحب جناب امام محمد تقی علیہ السلام سے مخاطب ہوئے۔ اور دریافت مسائل کے لئے اجازت چاہی۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر بکمال کشادہ پیشانی قاضی صاحب کو اجازت دی۔

قاضی صاحب نے پوچھا کہ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ کہ کسی شخص نے جو حالت احرام میں تھا شکار کیا۔ اُس کا کفارہ شرع میں کیا ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے قاضی صاحب کا یہ سوال سن کر پہلے تو تبسم برلب فرمایا پھر ارشاد کیا کہ اے یحییٰ تم نے یہ سوال تو بالکل مجمل اور مہمل طور پر کیا ہے۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ اُس محرم نے کہاں شکار کیا۔ حل میں یا حرم میں۔ وہ محرم عالم تھا یا جاہل مسئلہ اُس نے عمداً شکار کیا تھا یا سہواً۔ وہ شخص آزاد تھا یا غلام۔ بالغ تھا یا نابالغ۔ اُس نے یہ پہلے پہل شکار کیا تھا یا اس سے قبل بھی کئی بار شکار کر چکا تھا۔ وہ صید پرند تھا یا وحوش۔ وہ جانور چھوٹا تھا یا بڑا۔ وہ محرم اپنے فعل پر مُصر تھا یا نادم۔ اس نے شب کے وقت شکار کیا تھا۔ یا دن کو۔ وہ عمرے کا احرام باندھے تھا یا حج کا؟ اس ذرا سے مسئلہ کی اتنی مختلف صورتیں ہیں۔ اب میں تمہارے موجودہ سوال کو کس صورت میں شمار کروں۔

یہ سننا تھا۔ کہ قاضی صاحب سناٹے میں آ گئے۔ چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ گھڑوں پسینہ بدن سے چل گیا۔ خموشی اور سکتے کے عالم میں نقش بدیوار بنے بیٹھے رہے ان کے موجودہ سکوت کی موجودہ حالت دیکھ کر تمام حاضرین جلسہ کو ان کے مبلغ علم کا کافی اندازہ معلوم ہو گیا۔ آخر کار مامون سے نہ رہا گیا۔ اس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میری جان آپ پر فدا ہو۔ اب آپ ہی اپنی زبان صداقت ترجمان سے اس مسئلہ کے مختلف احکام کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمائیں۔

یہ سن کر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ محرم جس وقت حل میں شکار کرے۔ اور وہ صید طیور میں سے ہو۔ اور بڑا بھی ہو تو اس کا کفارہ ایک گوسفند ہے۔ اور اگر اسی قسم کا صید حرم میں کیا ہے۔ تو اُس کا کفارہ دو گوسفند مقرر ہے۔ اور اگر وحوش میں سے کسی بچے کو حل میں شکار کیا ہے۔ تو اُس کے عوض میں ایک دنبہ کا بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو کفارے میں دینا ہوگا۔ اور اگر وُہ صید ہرن ہے تو ایک بکری اُس کے معاوضہ میں دینی پڑے گی۔ اور یہ تمام کفارے جانوران وحشی کے متعلق اُس وقت دینے ہونگے۔ جب ان جانوروں کا شکار حل میں کیا ہوگا۔ اور اگر حرم میں اُنکا شکار کیا ہوگا۔ تو یہی کفارے دو چند ہو جائیں گے۔ اور جن جانوروں کو کفارے میں دیگا۔ انہیں خود خانہ کعبہ تک پہنچانا بھی ہوگا۔ اگر اس شخص نے احرام حج کا باندھا ہے۔ تو ان جانوروں کو منےٰ میں۔ اور اگر عمرے کا احرام باندھا ہے۔ تو مکہ میں قربانی کرنا ہوگا۔ اور ان

کفاروں میں عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں۔ عمداً صید کرنے میں گنہگار ہے۔ اور حالت سہو میں اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ مرد آزاد کے لئے کفارہ خود اس کی ذات پر ہے اور غلام کا کفارہ اس کے مالک پر واجب الادا ہے۔ طفل صغیر پر کوئی کفارہ نہیں۔ اور بالغ پر کفارہ واجب ہے۔ اور جو شخص اپنے صید کرنے پر نادم ہو۔ تو اس سے عذاب آخرت معاف ہو جائے گا۔ اور اگر اپنے فعل پر مصر ہے۔ تو اس پر عذاب آخرت کا بھی اضافہ کیا جاویگا۔

آپ کا یہ کلام ہدایت التیام سن کر حاضرین مجلس پر ایک عام محویت کا عالم طاری ہو گیا اور مامون تو اپنی غایت درجہ کی فریفتگی اور شیفتگی کے موجودہ عالم میں از خود رفتہ ہو گیا۔ ہر طرف سے صد تحسین و ہزار آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ صلوات کے پُر زور نعرے قائمہ عرش تک ٹکرانے لگے۔ مامون کے اس عظیم الشان جلسہ میں کوئی متنفس ایسا نہیں تھا۔ جو وجد اور محویت کے عالم میں سراپا غرق نہ ہو۔ آخر کار مامون نے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کا دست حق پرست تھام کر کئی بار آیہ وافی ہدایہ واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ کی تکرار کی۔ یعنی خدائے تبارک وتعالےٰ اپنی ودیعت رسالت کے مخصوص مقامات کو خوب جانتا۔ اور پہنچانتا ہے۔

قاضی صاحب کا یہ سوال تھا۔ جو اوپر لکھا گیا۔ قاضی صاحب نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کم عمر اور صغیر السن قیاس کر کے اُس مناظرے کو پہلے ہی سے ایک محض معمولی امر یقین کر لیا۔ تھا۔ اور اُن کے اس معرکۃ الآرا جلسہ کو اُس وقت تک ایک بازیچۂ طفلاں سے زیادہ نہ سمجھا تھا۔ اُن غریب کو کیا خبر تھی۔ کہ اُن کی امید کے خلاف یہ مناظرہ آخر میں اُن کی سخت ندامت اور ذلت کا باعث ثابت ہو گا۔ اس لئے قاضی صاحب نے اپنی دانست میں ایک معمولی مسئلہ کے استفسار پر اس مہتم بالشان جلسہ کو طے کر دینا چاہا تھا۔ مگر حقیقت میں وہ مسئلہ ایسا نکلا جس کے احکام مختلفہ سے خود قاضی صاحب کو کوئی خبر نہیں تھی۔ جیسا کہ ابھی ابھی ظاہر ہوا۔

بہر حال عباسیوں کی اس معرکۃ الآرا صحبت اور اُن کے عظیم الشان عالم زبردست کی جامعیت استعداد اور قابلیت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مقابلہ میں کچھ نہ چلی۔ واقعی اگر آپ موئد بتائید ربانی اور مشرف بہ تشریف یزدانی نہ ہوتے تو ایسے مہتم بالشان جلسے میں تینتیس ۳۳ دانشوں میں ایک زبان کی شان ہو کر۔ آپ کی کامیابی کی بہت کم امید کی جاتی تھی۔

جب یہ تمام معاملات طے ہو گئے۔ تو ماموں نے اُسی وقت اور اُسی عظیم الشان جلسہ میں جس میں اہل اسلام کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ موجود تھے۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کا عقد اپنی چھوٹی لڑکی ام الفضل کے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔
ثمّ زوّجہ فی ذالک المجلس بنتہ ام الفضل اب عباسیوں کو ماموں سے اس امر خاص میں کسی عذر اور کلام کا کوئی موقعہ یا گنجائش باقی نہیں رہی۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مدینہ کو واپسی

تھوڑے دنوں کے بعد بروایتے پورے ایک برس کے بعد۔ ماموں نے بڑے انتظام و اہتمام سے ام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف رخصت کر دیا۔ اور اب عباسیوں کو بھی اس امر خاص میں کوئی کلام یا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

عباسیوں کو جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے معاملات میں ناکامیاب رہکر تنبیہ اور عبرت کیا ہوگی۔ کہ ان کی مخالفت اور مخاصمت کی آگ اور بھڑک گئی۔ اور اپنے اُن مخالفانہ معاملات میں اب ماموں سے تو کچھ عرض و معروض کی جرأت نہ کر سکے۔ مگر ہاں انہوں نے اپنی مخالفت کی خفیہ اور محض پوشیدہ تدبیروں سے زن و شوہر میں ہمیشہ ایک سخت نا اتفاقی قائم رکھنے کے لئے پورا بندوبست کر لیا۔ اور اس شادی اور یکجائی کا نتیجہ آخر میں اچھا نہیں ثابت ہوا۔ ام الفضل کے معاملات حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں کبھی رفاقت اور باہمی محبت و الفت کے طریقہ میں درست نہ ثابت ہوئی۔ اور ام الفضل کی طرف سے کبھی ان کی خیر خواہی۔ محبت اور اخلاص کا اظہار نہیں کیا گیا بخلاف اس کے کہ وہ ہمیشہ مدینہ سے خط لکھ لکھ کر ماموں کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف سے ابھارتی رہی اور اپنے باپ کو اپنے مستوجب الطاعت شوہر کا دشمن بناتی رہی۔ چنانچہ صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر تحریر کرتے ہیں۔

ثمّ توجہ بھا الی المدینۃ فارسلت تشتکی منہ لابیھا انہ تسرّی علیھا فارسل الیھا ابوھا انا لم نزوّجک لہ لنحرم علیہ حلالا فلا تعودی بمثلہ

جب حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ام الفضل کو لیکر مدینہ میں تشریف لے گئے۔ تو ام الفضل نے اپنے باپ ماموں کو آپ کی شکایت میں لکھ بھیجا۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام لونڈیوں

کے ساتھ زیادہ صحبت رکھتے ہیں۔ مامون نے اس کے جواب میں اُس کو لکھ بھیجا۔ کہ ہم نے تمہارا نکاح ان کے ساتھ اس لئے نہیں کیا۔ کہ تم اُن کے لئے وہ چیزیں حرام کر دو۔ جو ان پر خدا کی طرف سے حلال کی گئی ہیں۔ پھر کبھی ایسی باتیں نہ کیجئو۔

بہرحال۔ اس کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ ام الفضل نے جو جو مخالفت اور مخاصمت کے اظہار کئے۔ اُن کو ہم اپنے آئندہ سلسلہ مضامین میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ انشاء اللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

مامون کی آخر عمر میں شادی

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مدینہ لوٹ جانے تک کے حالات لکھ کر اب ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ تاریخی مشاہد سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مامون نے اس شادی کے تھوڑے دنوں کے بعد اپنی شادی حسن ابن سہل کی لڑکی بوران نامی سے اس کی خاص سکونت کے مقام میں جسے فم الصلح کہتے تھے۔ بہت بڑی دھوم دھام سے کی یہ شادی ۲۰۹ھ ہجری مامون کی وفات سے پانچ برس پہلے واقع ہوئی۔

اس شادی میں مامون نے بہت بڑی ہمت اور فراخ حوصلگی سے کام لیا تھا۔ اور یہ زمانہ اس کے ایسے کاموں کے لئے زیادہ تر موزون تھا۔ کیونکہ اس وقت اُس کو چاروں طرف سے اطمینان کُلی حاصل تھا۔ اُس کی ادنیٰ داد و دہش کی نسبت صاحب روضۃ الصفا یہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مامون نے تمام ممالک فارس۔ اہواز اور ایران کا ایک سالہ خراج ایک جگہ جمع کر کے اپنے خسر حسن ابن سہل کے خزانچی کو سپرد کر دیا۔ اور دوسرے سال کا خراج رعایا کے لئے معاف کر دیا۔ لڑکی والوں نے بھی مامون سے ہمت اور فراخ دلی کم نہیں ثابت کی۔ اُن تمام شاہی اسباب و اموال جہیز میں جو چیزیں لڑکی کو دی گئی تھیں۔ چالیس خوان موتیوں اور اشرفیوں سے بھرے ہوئے نوشاہ (مامون) کے سر پر تصدق کر دئے گئے۔ اور جس مکان میں شاہی خلوت واقع ہوئی۔ چالیس من موم خالص کی ایک بتی عنبر اشہب اور کافور کی کیمیاوی ترکیب کے ساتھ تیار کی گئی تھی۔

بہرحال۔ مامون کی یہ پچھلی شادی اپنے تزک و احتشام اور سلطانی انتظام کے اعتبار سے اعجوبۂ روزگار تھی۔ صاحب روضۃ الصفا کی تحقیق میں مامون کی یہ شادی اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا عقد بیک وقت واقع ہوئی۔ مگر یہ خلاف مشہور ہے۔

مامون کی اخیر ملکی دشواریاں!

اس میں شک نہیں۔ کہ مامون کی سلطنت کے آخر ایام اُس کے ابتدائی زمانہ سے بدرجہا بہتر گزرے۔ مگر تاہم اُس کے یہ ایام بھی دشواریوں سے خالی نہیں گئے۔

۲۱۲ھ ہجری میں مامون مصر کی طرف عبدوس نامی ایک شخص کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوا۔ عبدوس نے مصر اور اُس کے اطراف و جوانب میں ایک عرصہ سے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اور بہت سے نظام ملکی میں خلل ڈالا تھا۔ مامون نے موقع پر پہنچ کر عبدوس کی پوری سیاست کی۔ اور مصر میں قیام کر کے اور وہاں کی بدنظمیوں کو درست کر کے روم کی طرف بڑھ گیا۔

مامون کے روم جانے کی خاص کر یہ وجہ تھی۔ کہ آج کئی برس پیشتر سے رومیوں نے اپنی قدیم عادت کے مطابق ممالک شام اور فلسطین پر حملات شروع کر دئے تھے۔ اور ممالک اسلامیہ کے خاص حدود متصلہ پر اپنی مخالفانہ دستبرد سے وہاں کی رعایا کو سخت تہلکہ اور پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ مامون اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ جن کی تعداد ساٹھ ہزار بتلائی جاتی ہے۔ حدود روم میں پہنچ کر مقیم ہوا۔ قیصر کو مامون کی یہ تیاری۔ آمادگی اور ہمت دیکھ کر کچھ ایسی ہیبت سمائی۔ کہ اس نے بغیر لڑے بھڑے پہلے ہی سے مصالحت کے پیغام بھیجے۔ بالآخر مامون بھی راضی ہو گیا۔ مگر جب تحریر صلحنامہ کا وقت آیا۔ تو قیصر رومی نے اپنی عظمت قدیمی قائم رکھنے کے لئے اس امر پر اصرار کیا۔ کہ صلح نامہ میں مامون سے پہلے میرا نام درج کیا جاوے۔ جس کو مامون کی موجودہ سلطانی ہمت اور حمیت نے کسی طرح قبول نہیں کیا۔ کئی روز تک فیما بین یہ جھگڑا پڑا رہا۔ مگر کسی طرف سے امر طے نہیں ہوا۔ آخر کار یہ نتیجہ نکلا۔ کہ مصالحت کی گفتگو اور صلح و آشتی کے تمام راستے بند ہو گئے اور جانبین سے مقابلہ کی تیاری ہونے لگی۔ یہاں تک کہ مامون نے پیش دستی کر کے رومیوں پر پوری فتح حاصل کی۔ اور اُن کو شکست پر شکست دے کر اُن کے مقابل اور ممالک میں برابر بڑھتا اور دھنستا چلا گیا۔ اور اُن کے چار بڑے بڑے قلعے تھوڑے ہی عرصہ میں خالی کرا لئے۔ قیصر تو پہلے ہی سے مامون سے مقابلہ میں دب رہا تھا۔ اب اس کے مقابلہ میں اور بھی منہ چھپانے لگا۔ مامون اس وقت علاقہ طرطوس تک اپنی فتوحات کا سلسلہ پہنچا چکا تھا۔ کہ ایک بارگی اُس کی موت آگئی ع

ما در چہ خیالیم فلک در چہ خیال

مامون کی وفات

علاقہ طرطوس میں پہنچ کر اور یہاں کی آب و ہوا کو معتدل اور اپنے مزاج کے بالکل موافق پا کر

مامون نے محض آرام رسانی اور تن آسانی کی غرض سے یہیں قیام کیا۔ مامون کی قیام گاہ سے چشمہ ندندوں جسے پہلے زمانہ میں تشیرہ کہتے تھے۔ قریب تھا۔ جس کا پانی اپنی لطافت۔ شیرینی اور خنکی کے لئے دور دور تک مشہور و معروف تھا۔ ایک دن مامون تفریح کے خیال سے اُس چشمہ میں نہایا۔ نہانا تھا۔ کہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور وہی پانی جو عموماً تمام دنیا کے مریضوں کی شفا کا باعث ثابت ہوتا تھا۔ اس وقت مشیت کے حکم اور تقدیر کے ارادے سے مامون کے لئے ہلاکت کا اصلی سبب ظاہر ہوا۔

علامہ مسعود ذہبی مروج المذہب میں لکھتے ہیں۔ کہ اس چشمہ کا پانی سردی میں ایسا تھا۔ کہ کوئی کیسا ہی توانا اور قوی الجثہ شخص کیوں نہ ہو۔ مگر ایک لحظہ سے زیادہ اس پانی میں ٹھیرنے کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ اور اُس کی صفائی اور لطافت کی یہ کیفیت تھی۔ کہ اگر کوئی پیسہ اُس میں ڈال دیا جاوے۔ تو وہ اُس کی تہ میں پہنچ کر پانی کی بالائی سطح سے برابر دکھلائی دیتا رہے۔ مامون اس میں نہایا۔ اور نہانے کے بعد اُس کے کنارے فرش بچھا کر بیٹھ گیا۔ اس اثناء میں ایک بڑی سی نہایت صاف و شفاف مچھلی دکھائی دی۔ مامون نے اپنے فرّاش کو حکم دیا۔ کہ اس کو پکڑ لے۔ فراش نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور اُسے پکڑا۔ مگر وہ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ فراش نے بار دیگر کوشش کی۔ ابھی وہ اس کوشش میں تھا ہی کہ مامون کو سردی کے آثار محسوس ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ اُس کی بے خودی کا یہ عالم ہو گیا۔ کہ وہ وہاں سے مطلق جنبش نہ کر سکا۔

اتنے میں وہ فرّاش وہی مچھلی پکڑ لایا۔ مامون نے اُس کے پکائے جانے کا حکم دیا۔ مامون چونکہ علیل ہو گیا تھا۔ اور اُس کی علالت بھی ایک بارگی ایسی ترقی کر گئی تھی۔ کہ وہ اپنے مقام سے ہلنے پر بھی قادر نہیں تھا۔ اس لئے خیمۂ سلطانی وہیں قائم کر دیا گیا۔ اور مامون کو بہت سے گرم کپڑے ایک پر ایک کر کے اڑھائے گئے۔ مگر اُس کی قیامت کی سردی کسی طرح کم نہیں ہوئی۔ اور وہ برابر اَلبَرد۔ اَلبَرد چلاتا ہی چلا گیا۔

آخر کار حکیم بختیشوع نصرانی۔ طبیب شاہی کے حکم سے خیمۂ سلطانی کے اندر اور باہر چاروں طرف کثرت سے آگ سلگا دی گئی۔ اور اپنے حسابوں وہ مقام کرہ نار بنا دیا گیا۔ مگر مامون کی سردی کی شکایت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اور وہ بدستور سابق سردی سردی پکارتا رہا۔ اس کے مرض میں آناً فاناً ایسا اضافہ ہوا۔ کہ جب وہ مچھلی شاہی مطبخ سے پکا کر اُس کے کھانے کے لئے

اُس کے سامنے لائی گئی۔ تو وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ چنانچہ وہ اُس میں سے ایک ریشہ بھی نہ کھا سکا۔

دارالخلافت کے دونوں مشہور و معروف شاہی طبیب حکیم بختیشوع نصرانی اور حکیم ماسویہ ابواسحاق معتصم کے ہمراہ مامون کے پلنگ سے لگے بیٹھے تھے معتصم نے مامون کی یہ کیفیت دیکھ کر ان اطبائے سلطانی سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو میرے بھائی کے بچنے کی بھی کوئی امید ہے یہ سنکر وہ دونوں طبیب اُٹھے اور مامون کے سرہانے بیٹھ کر نہایت غور۔ خوض اور احتیاط سے اُس کی نبض کو دیر تک دیکھتے رہے۔ مامون اُس وقت کسی قدر ہوش میں آگیا تھا۔ معتصم اُس کے پہلو میں کھڑا تھا۔ اتنے میں مامون کے مُنہ سے لعاب کی منجمد رطوبت خارج ہوئی۔ طبیب شاہی نے اُسے فوراً اپنے رومال سے پاک کر دیا تھوڑی دیر کے بعد ایسی ہی رطوبت اس کے تمام بدن سے خارج ہونے لگی معتصم نے پوچھا کہ یہ رطوبت کیسی ہے۔ تو دونوں حکیموں نے کہا کہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ اسی اثنا میں مامون آپ ہی آپ ہوش میں آگیا۔ اس نے رومیوں کو فوراً اپنے سامنے بلایا۔ اور ان سے دریافت کیا۔ کہ اس چشمہ کو سابق میں کیا کہتے تھے۔ اُن لوگوں نے کہا۔ کہ اسے قشیرہ کہتے ہیں۔ مامون نے پوچھا تمہاری زبان میں قشیرہ کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا۔ کہ دونوں پاؤں پھیلا دینے کے ہیں۔ مامون نے اس معاملہ میں فال بد مراد لی۔ پھر اُن سے پوچھا۔ کہ اس علاقہ کا کیا نام ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ علاقہ طرسوس کے متعلق۔ اس حصہ کو رقہ کہتے ہیں۔ رقہ کا نام سنتے ہی مامون کے حواس جاتے رہے اور اپنی موت کا اسے یقین ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اپنے زائچہ تقدیر میں دیکھا تھا۔ کہ اس کی وفات شہر رقہ میں واقع ہوگی۔ اسی وجہ سے اتنا خیال اور اتنی احتیاط اُسے ہمیشہ ہی رہتی تھی۔ کہ وہ عراق کے مشہور شہر رقہ میں کبھی ٹھیرا نہیں کرتا تھا۔

بہرحال رومیوں سے باتیں کر کے جیسا کہ مسعود ذہبی اور صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے مامون نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا۔ یا من لا یموت ارحم من یموت اے وہ کہ جو نہ مرنے والا ہے مرنے والے پر رحم فرما۔ یہ کہکر وہ بے ہوش ہو گیا۔ اور رات کے نو بجتے بجتے وہیں مر گیا معتصم نے اُسی وقت مامون کی تجہیز و تکفین سے فراغت کر کے اُس کو قصبہ طرطوس میں لے جا کر مدفون کر دیا۔ جو اس چشمہ سے ڈھائی کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مامون کی عمر اس وقت ۴۸ برس کی تھی۔ اور اُس کی حکومت کو بیس برس پانچ مہینہ اور تیرہ دن گذر چکے

تھے۔ مامون کے مرنے کے بعد معتصم نے ممالک رومیہ میں زیادہ قیام کو مصلحت وقت نہ سمجھا۔ اور فوراً اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ دار الخلافت بغداد کی طرف واپس آیا۔

مامون کے عادات وخصائل

عبداللہ الملقب بہ مامون بنی عباسیوں کا ساتواں خلیفہ تھا۔ اور کامل بیس برس تک بلاد اسلامیہ پر حکومت کرتا رہا۔ اُس کی سلطنت کے ابتدائی ایام کسی طرح مطمئن اور آرام دہ نہیں کہے جا سکتے۔ جیسا کہ مشاہدات تاریخی سے متواتر کئی مقاموں پر اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اور نہ اوائل ایام میں اُس کی طرز حکومت سے بیدار مغزی، ہوشیاری اور آزادی کے کوئی آثار معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس نے اپنی آخر سلطنت میں اپنے حسن تدبیر اور سیاست ملکی کی چند اعلیٰ مثالیں ایسی دکھائیں۔ جن سے ثابت ہو گیا۔ کہ وہ فطرتاً غافل۔ کاہل اور آرام طلب نہیں ہے۔ جہاں تک تاریخی مشاہدے سے تفحص احوال کیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ علمی استعداد میں اپنے دونوں بھائیوں امین اور مؤتمن سے بدرجہا افضل تھا۔

اس میں بھی کلام نہیں کہ اُس کی صحبت میں ہمیشہ صاحبان علم وکمال جمع تھے۔ اُس کی صحبت اور اُس کی مجلسوں میں مذاکرہ علمی کے سوا دوسرے چرچے بہت کم ہوتے تھے۔ اُس کے زمانے میں مختلف علوم کی کتابیں غیر زبانوں میں سے عربی میں سلطنت کے خاص خرچ سے ترجمہ کرائی گئیں۔ ان میں ریاضی، طب۔ جغرافیہ۔ نجوم اور طبعیات وغیرہ مخصوص طور پر داخل ہیں۔

رفاہ عامہ اور اصلاح رعایا کے بہت سے مفید کام عمل میں لائے گئے۔ کثیر التعداد مدرسے بیشمار شفاخانے۔ ہزاروں نہریں۔ چھوٹے بڑے حوض و تالاب سلطنت کے اہتمام سے بنوائے گئے۔ جن سے ملک اور ملک والوں کے علاوہ دیگر ممالک کے باشندوں کو بھی اتنے فائدے اور منافع اٹھتے رہے۔ جس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔

ہم نے جہاں تک مامون کے ذاتی حالات کی تلاش کی ہے ہم کو یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ مامون اپنے اکثر طرز عمل میں ہندوستان کے اکبر کی مثال پایا جاتا ہے۔ جدید تاریخیں جو مغربی تعلیم کے زیر اثر ہو کر لکھی گئی ہیں۔ گویا اس نتیجہ پر قریب قریب ایمان لا چکی ہیں۔ اس وجہ سے جس طرح انگریزوں نے اکبر کو اعظم (A KBER THE GREAT) کا خطاب دیا ہے اُسی طرح ہمارے فخر قوم۔ رائٹ آنریبل مسٹر جسٹس سید امیر علی خاں بہادر۔ سی۔ آئی۔ ای

نے اپنی تاریخ ہسٹری آو سار آسینس میں ماموں کو اعظمیت کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ اور ماموں اعظم کے گرانمایہ القاب سے معزز فرمایا ہے۔

مگر ایک وسیع تاریخی نظر رکھنے والا کبھی ان وقتی راویوں کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس کے نزدیک نہ اکبر میں اعظم ہونے کی اہلیت تھی۔ اور نہ ماموں میں صلاحیت اگر اس عظمت کا اعتبار فتوحات کی کثرت پر ہے۔ تو جب ماموں سے بابک ایسے مجہول الاسم اور غیر معروف الاحوال شخص کی عمر بھر کوئی تدارک نہ ہو سکی۔ اور اسی طرح اکبر سے ہندوستان کی جنوبی بدنظمیوں کی کوئی اصلاح نہ ہو سکی۔ تو پھر اس طریقہ سے ان دونوں حضرات کے لئے یہ خطابات کبھی موزون نہیں کئے جا سکتے۔

اور اگر نظام ملکی اور رفاہ عامہ کے کاموں کے اجرائے ایجاد کے اعتبار پر ماموں اور اکبر دونوں کو اعظم کا لقب دیا جاتا ہے۔ تو ماموں سے زیادہ منصور اعظم کہے جانے کے لئے شایان اور سزاوار تھا۔ کیونکہ وہ فتوحات اور انتظامات دونوں صورتوں میں ماموں سے بڑھا چڑھا تھا منصور ہی نے دار السلام بغداد کے ایسے عظیم الشان تعمیر کا مشہور روزگار کام اپنے ذمہ لیا تھا۔ جس میں رفاہ عامہ کی اتنی خبریں فراہم کی گئی تھیں۔ کہ شاید تمام ملک میں ماموں اتنی راحت عامہ کی ضروری چیزیں موجود کرنے پر قادر ہوا ہوگا۔ یہ سب کچھ منصور ہی کا ساختہ تھا جو ماموں کے ہاتھ آیا تھا۔

اسی طرح اکبر کو چھوڑ کر فتوحات اور انتظامات دونوں اعتبار سے اگر دیکھا جاوے تو شیر شاہ اور شاہجہان کی فتوحاتی وسعت اور رفاہ عامہ کے بندو بست۔ تاریخوں سے کہیں زیادہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور اس وقت تک بھی ممالک ہندوستان میں جس قدر ان دونوں سلاطین کی یادگاریں قائم ہیں۔ اتنی کسی اور فرمانروا کی نہیں۔

بہر حال۔ یہ اپنی اپنی رائے اور اپنا مورخانہ مختار ہے۔ جس میں مجھے کیا کسی کو بھی کوئی عذر اور کلام کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ہاں۔ جہاں تک ان جدید اعظموں کے ذاتی محاسن کا تحقیق کیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دونوں میں سے ایک بھی اس قابل نہیں۔ کہ سکندر ذوالقرنین کی طرح اعظم کی ڈگری حاصل کر سکتا ہو۔

باقی رہا۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ یہ دونوں فرمانروا اپنی تدبیر اور ملکی سیاست میں بہت بڑے ہوشیار اور مشاق تھے۔ اور اس میں بھی عذر نہیں۔ کہ مشرقی ممالک کے تاریخی افق میں

بھی دو چار ستارے ہیں۔ جو ظاہریں نگاہوں میں برابر ڈوبتے اُچھلتے نظر آتے ہیں۔ اور ہر کس و ناکس کی نظر سب سے پہلے انہیں کی طرف پڑتی ہے۔

اکبر کے حالات کو مامون کے واقعات کے ساتھ ایک قدرتی تشابہ ہے۔ اکبر کے ابتدائے ایام میں جس طرح تمام ملکی کاروبار بیرم خاں ترکمان کے ہاتھ میں تھے۔ اُسی طرح مامون کے شروع زمانہ میں اس کے اتالیق فضل ابن سہل تمام امور سلطنت کا مختار تھا۔ فرق تھا تو اسی قدر کہ بیرم خاں ترکمان کو اکبر سے اتالیقی کے علاوہ قرابت کے حقوق بھی حاصل تھے۔ اور فضل ابن سہل کو مامون سے سوائے خدمت کے کسی عزیز داری یا قرابت کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ہاں اتنا ضرور تھا۔ کہ فضل بھی ایرانی الاصل تھا۔ اور مامون بھی ماں کی طرف سے ضرور ایرانی تھا۔ مگر یہ اتحاد اتنا قابل اعتماد نہیں ہو سکتا جتنا اکبر اور بیرم خاں ترکمان کا۔

مگر کیا۔ آگے چل کر۔ جب یہ دونوں فرمانروا اپنے اپنے کاروبار ملکی میں اپنے تجربہ کار اور ہوشیار اتالیقوں کی روزانہ تعلیم و صحبت سے مستفیض ہو کر صاحب تدبیر ہو گئے۔ اور اتنے کہ آزادانہ حکومت کرنے کی کامل صلاحیت فراہم کر چکے۔ تو جس طرح اکبر نے بیرم خاں ترکمان کی قوت و اقتدار سے مخوف ہو کر اُس کے تمام آثار و اقتدار کو اپنے ممالک محروسہ سے اُٹھا دیا۔ اور جملہ کاروبار سلطنت اُس سے منتزع کر لئے۔ اُسی طرح مامون نے بھی آخر کار فضل ابن سہل کو جو اس کی سلطنت کی ابتدا سے لے کر آج تک اُس کے تمام ملک و دولت پر حاوی ہو رہا تھا۔ ہٹا دیا۔

مگر افسوس کوئی تاریخ۔ کوئی تذکرہ۔ اکبر کو بیرم خاں کا قاتل نہیں بتلاتا۔ بخلاف اس کے تمام تاریخیں۔ تمام تذکرے مامون کو صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں میں فضل کا قاتل بتلاتے ہیں۔ ان دونوں کی مساوات میں پھر اختلاف ہے۔ تو اتنا کہ اکبر کی حسن تدبیر میں معاملات انتقام اور مقدمات سیاست کے ساتھ رحمدلی۔ محاسن خدمات، ہمدردی، مروت اور نرمی کا پہلو بھی ضرور کیا جاتا تھا۔ مگر مامون کے آداب سیاست اس سے بالکل خالی تھے۔ ہرثمہ ابن اعین دبستان روضۃ الصفا، فضل ابن سہل، حسن ابن سہل، حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے واقعات اس امر کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔

مامون سیاست کے خاص معاملات میں عالمگیر کا مماثل ثابت ہوتا ہے۔ نہ اکبر کا مقابل

بہرحال۔ مامون کی یہ حسن تدبیر ہو۔ یا ملکی انتظام کی مجبوریاں یا نظام حکومت کی وقتی ضرورتیں جو کہی جائیں۔ مگر ہم اتنا ضرور کہیں گے۔ کہ مدبران ملکی اور موئدان مامونی چاہے اپنی زبانی اصطلاع اس کے عیوب کو کیسا ہی نہ چھپائیں۔ مگر جب اس کے اصل حالات اور صحیح واقعات پر اخلاقی اعتبار سے نظر ڈالی جائے گی۔ تو اس کی یہ تدبیر۔ یہ نظام۔ ہمدردی۔ مروت اور اخلاق کی شرائط سے کوسوں دور سمجھے جائیں گے۔

بہرحال۔ مجھ کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر اور کلام نہیں ہے۔ کہ مامون اکبر کی طرح اپنی تدبیر و سیاست کا پتلا تھا۔ اور خصوصاً وہ اپنی تدبیروں کی رازداری میں ایسی احتیاط اور ہوشیاری سے کام لیتا تھا۔ جو دوسرے سے ناممکن ہے۔ مگر جہاں تک ان رازداریوں کے حالات دریافت کئے گئے ہیں۔ یہ ظاہر ہوا ہے۔ کہ اُس کی یہ حزم و احتیاط بھی زیادہ تر انہیں حضرات کی سیاست تک محدود و منحصر تھی۔ جن کی قوتوں کو وہ حد اعتدال سے متجاوز پاکر مستاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے اطمینان اور تسلط کے زمانہ میں اُس کی ان کارروائیوں کا نشان بھی نہیں پایا جاتا۔ اگر حقیقت میں وہ اس اصول کا پابند تھا۔ تو بابک خارجی کے معاملات میں اُس کی کوئی کوئی حزم واحتیاط۔ اُس کی رازداری اور ہوشیاری ذرا بھی مفید کار ثابت نہ ہوئی۔ اور نہ اُس کے معاملات میں مامون کی ان کارروائیوں کا کہیں نام و نشان پایا جاتا ہے۔

اس وجہ سے ہمارا یہ خیال بہت درست ہے۔ کہ اس کی یہ تدبیر رازداری۔ احتیاط اور ہوشیاری صرف اُس کے استحکام سلطنت کی ضرورتوں تک محدود تھیں۔ جب تمام ممالک محروسہ میں مامون کی حکومت کا استحکام ہوگیا۔ تو اس کو ان باتوں کی محتاجی باقی نہیں رہی۔ اس لئے اُس کو بابک ملحد کے معاملات میں ان تدبیروں کو عمل میں لانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اُس زمانہ میں مامون کا تسلط تمام ملک پر پورے طور سے ہو چکا تھا۔ مگر اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ اور وہ اپنی اس غلط فہمی اور انانیت کی وجہ سے بابک کے معاملات میں فی عمرہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کو اس کے مقابلہ میں بھی اپنی قدیم تدبیروں سے کام لینا ضروری تھا۔ کیونکہ مرو سے بغداد میں چلے جانے کی وجہ سے ایران۔ مصر۔ اور روم کی سرحدوں پہ بغاوتیں شروع ہوگئی تھیں۔ اور یہ بالکل ویسی ہی تھیں۔ جیسے اس کے مرو میں بیٹھے رہنے سے بغداد۔ عراق اور حجاز میں تمام بدنظمیاں واقع ہوگئی تھیں۔ ہم بہت جلد

مامون کے اس اخیر وقت کی بے چینیوں کی کیفیت اپنے سلسلہ بیان میں درج کرتے ہیں۔
بہرحال۔ مامون نے بابک کے معاملات میں اپنے قدیم طرزِ عمل سے کام نہیں لیا۔ اور اس کی یہ غلط فہمی اُس کی ناکامیابی کا باعث ہوئی۔ ان قرائن سے معلوم ہوا۔ کہ وہ اپنی اُن تدبیروں کو انہیں لوگوں کے خاص استیصال تک اختیار کئے رہا۔ جن کو وہ اپنے موجودہ نظام ممالک کا سراسر مخالف سمجھتا تھا۔ حالانکہ یہ ایک ذی شعور مدبّر کی آزادانہ رائے سے محض خلاف ہے۔ تدبیر کی عملی صورتوں میں ضرورت اور احتیاج کے اعتبار سے جو تغیّر نہ واقع ہو۔ اس میں کلام نہیں۔ مگر ایک مخالف کے مقابلہ میں مختلف تدبیروں سے کام لینا اور دوسرے حریف کے سامنے پھر ان کا کہیں نام بھی نہ لینا ہرگز آئینِ سیاست کا منشاء نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہ طریقہ ایک ذی شعور مدبّر کی حسنِ تدبیر سے محض خلاف ہے۔
بہرحال۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ ممالک مغربیہ پر تسلط پاکر مامون کے مزاج میں انانیت ضرور آگئی تھی۔ اور وہ اپنی سلطنت کے موجودہ استحکام اور انتظام کو لازوال سمجھنے لگا تھا۔ اُس کے مزاج میں پہلے نرمی۔ مروّت۔ رعایت۔ غرض انسانی ہمدردی اور اخلاق کے تمام انداز و آثار پائے جاتے تھے۔ مگر موجودہ زمانہ میں وہ اپنے مجرمین اور ملازمین سلطنت کے ساتھ معافی اور فرد گذاشت کا زیادہ خوگر تھا۔ اور فی الحال وہ مجرم کی سخت سے سخت سزا دینے کا عادی ہو گیا تھا۔ اور آخر وقت تک مامون کے مزاج کی یہی کیفیت بنی رہی۔
چنانچہ اُس نے اپنے بعد اپنے قائم مقام خلیفہ معتصم کو تین وصیتیں خاص طور پر کیں جن میں تیسری وصیت یہ تھی۔ کہ سیاست کے وقت رعایت کا خیال نہ رکھنا۔ بلکہ جہاں تک ہو اُس میں اضافہ کرنا۔
ان قرائن کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی سمجھ لے گا۔ کہ مامون کے مزاج میں اُس وقت سے لیکر اس وقت تک کتنا تغیر اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اور اُن تمام واقعات کو جو ہم نے پوری تفصیل سے اپنی کتاب تحفۂ رضویہ میں قلم بند کئے ہیں۔ مدنظر رکھ کر تمام دنیا کے لوگ نہایت آسانی سے معلوم کر لیں گے۔ کہ مامون بھی اپنی روشن اور اپنے عملی طریقوں میں اپنے اسلاف کا پورا نمونہ اور یادگار تھا۔ مگر فرق یہ تھا۔ کہ وہ اپنی تدبیروں میں اتنی احتیاط اور رازداری سے کام نہیں لیتے تھے۔ جتنا کہ مامونؔ۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُن کے طرزِ عمل بہت جلد

تمام دنیا کو معلوم ہو جاتے تھے۔ اور اس کی خفیہ تدبیروں کے راز دیر میں کھلتے تھے۔ اور غور و تامل کے بعد سمجھ میں آتے تھے۔ ورنہ مامون اور اس کے سلاطین پیشین کے عملی طریقوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

اسلامی تاریخوں میں مامون کے اوصاف و کمال کی اتنی شہرت کا باعث اُس کی یہی حسن تدبیر اور ملکی اصلاح ہے۔ جو وہ آخر وقت میں بجا لایا۔ جن لوگوں نے مختلف ممالک کی تاریخوں کی سیر کی ہے۔ وہ بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں۔ کہ سیاسی دنیا میں نظر بر استحقاق و اوصاف اضافی وغیرہ اتنا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ جتنا کہ حسن تدبیر اور امور سیاست پر۔ ایک فرمانروا کے تنہا یہ ذاتی اوصاف اُس کے اور عیوب و مناقص کی ستر پوشی کے لئے پورے طور سے کافی ہوتے ہیں۔ اور دنیا کے دل سے اُن کو بالکل مٹا دیتے ہیں۔

عرب کی تاریخ تو ایسی مثالوں سے بالکل پُر ہے۔ خلافت راشدہ کے حق ناحق مسئلہ کو تو جانے دیجئے۔ خلافت امویہ کے ناحق دخل در معقولات پر تو اکثر کو اتفاق ہے۔ اور سلاطین بنی امیہ کے معائب اور مناقص کا مسئلہ مسلّمہ اور طے شدہ ہے۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے ولید کے ایسے فاسق و فاجر کے محامد و اوصاف سے عربی اور فارسی کی تاریخ و سیر بھری پڑی ہیں۔ یہاں تک کہ اس زمانہ کے کامل محققین اور فاضل مؤرخین بھی۔ جن کی جدید تحقیقات اور علمی افادات کے صلہ میں شمس العلماء وغیرہ وغیرہ کے خطابات ملے ہیں۔ ولید کے ایسے ننگ خاندان مسلمان کو نہایت فخر و مباہات کے ساتھ ہیروز آف اسلام Heroes of Islam شجاعان اسلام کی مقدس فہرست اور مبارک سلسلہ میں خواہ مخواہ داخل کئے دیتے ہیں۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد وائے گر از پس امروز بود فردائے

ایسے بیجا انتخاب کرنے کے لئے ایسے یک طرفہ اور جانب دار مؤلفین و مؤرخین کو شرمناک غیرت اور عبرت پکڑنا چاہئے۔ افسوس وہ مسلمان ہو کر ممیزان اسلام کی ادنے فہرست تیار نہ کر سکے۔ تو آئندہ اُن کی تالیفات و تصنیفات سے صحیح واقعات اور اصلی حالات معلوم کرنے کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ اُنہیں کے بالکل برعکس ہم ایک یورپین European مؤرخ کے محض بے تعصب اور عادلانہ انتخاب کی مثال پیش کرتے ہیں۔ جو ہمارے بیان کی تصدیق کے لئے پورے طور سے کافی ہے۔

انگلینڈ (England) کے مشہور و معروف مورخ مسٹر کارلائل (Caralayal) نے دنیا بھر کے ممیزین کا انتخاب کیا ہے۔ حالانکہ وہ یورپین تھا۔ عیسائی تھا۔ سوائے مخالفت کے اُس کی ذات سے اسلام کے لئے دوسری امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن وہ متعصب نہیں تھا۔ وہ کسی کا طرفدار اور جانب دار نہیں تھا۔ اگر وہ اسلام کی طرف سے متعصب اور عیسائیت کا طرف دار ہوتا۔ تو جیسا کہ اور متعصبین یوروپین مؤلفین کا طرز ہے اسلام کو نہ دنیا کے مذاہب میں داخل کرتا اور نہ بانی اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں میں شامل کرتا۔ مگر نہیں وہ کتاب لکھنے بیٹھا تھا۔ اور ایک سخت اور اہم فیصلہ کرنے۔ نہ تعصب کا پیٹ بھرنے۔ اور نہ اسلاف کی کورانہ تقلید پر مرنے۔ اس نے اسلامی دنیا کے ممیزین میں۔ اگر کسی کو انتخاب کے قابل سمجھا۔ وہ سوائے جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے کوئی تیسرا نہیں تھا۔ دیکھو کارلائلز لکچرز آن ہیرو اینڈ ہیروز ورشپ Caralayal's Lecures on "Hero and Heroes' Worship".

اسلامی فاضل مورخ نے پھر ایسا بیجا اور غیر منصفانہ انتخاب کیوں کیا۔ صرف اس لئے کہ ولید اپنے حسن تدبیر کا پکا تھا۔ اس وجہ سے بلاد اسلامیہ میں اس کا کامل تسلط ہوا۔ اور اُس کے وقت میں فتوحاتی اضافات جو خلافت اور امارت اسلام کے خاص معیار قرار دے لئے گئے ہیں۔ کثرت سے واقع ہوئے۔ اب اُس کے اتنے ظاہری اوصاف کے مقابلہ میں اُس کے ذاتی معائب اور منافض کا نام لینا یا ذکر کرنا ارباب سیاست کے آگے بہت بڑی خطا اور بہت بڑا گناہ ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ولید وہی شخص ہے۔ صاحب روضۃ الصفا جس کی نسبت لکھتے ہیں۔ ان کی اصلی عبارت یہ ہے۔

ولید جبارے عنید بود۔ روایت است کہ مولودے را ولید نام نہادندے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اورا مستکرہ داشتے۔ چنیں نقل کردہ اند کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نوبتے فرمود کہ مثل فرعون ولید نامی در امت من باشد کہ اورا فرعون ثانی خوانند۔ ومضمون ایں حدیث درشان ولید ابن عبدالملک سمت وضوع یافت

فرعون ثانی اور اہیروز آف اسلام میں شامل کیا جاوے۔ فاعتبروا اولی الابصار۔ ایک

عیسائی یورپین کا وہ قابل قدر اور سچا انتخاب تھا۔ اور ایک مسلمان شمس العلماء کا یہ متعصبانہ اور گمراہانہ انتخاب ہے۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ ع قدر ہر کس بقدر ہمت اوست نتیجہ کیا ہوا۔ کارلائل کی انتخابی تجویز کو ساری دنیا کی قوموں نے بلا عذر مان لیا۔ اور ان کے خوشامدی اور محض تعصبی فیصلہ اور تجویز کی کسی نے جھوٹوں بھی نہ پوچھا۔ اور ان کے اس غلط اور جھوٹے انتخاب کی تردید قول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سے تو کر دی۔ اور اُن کے انتخاب کردہ ہیرو کو فرعون ثانی تک تو ثابت کر دیا۔ اب اسلام میں اگر فرعون عظمت اور وقعت سے دیکھا جاتا ہو۔ تو تسلیم اللہ۔ وہ دیکھیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

عرب کو چھوڑ کر ہندوستان میں آؤ۔ اور شیر شاہ افغان کے حالات پر نظر کرو۔ تو بہت بڑا قابل تعریف فرمان روا تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر جن ترکیبوں سے اُس نے اتنی بڑی سلطنت حاصل کی وہ ہرگز جائز نہیں سمجھی جا سکتی۔ جن لوگوں نے ہندوستان کی تاریخیں دیکھی ہیں۔ اور وہ تاریخیں جو حقیقت میں تاریخ ہونے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نہ سرکاری مدارس کے مروجہ نصاب تعلیم کی موجودہ ایڈس (Aids) معاون نوٹس (Notes) ڈائجسٹس (Digests) تلخیص اور شارٹ اسکیچز (Short Sketches) تخلیص التلخیص وہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ تمام ہندوستان میں شیر شاہ کے آئین حکومت آئندہ بن کر ایسے چمکے اور اس کے رفاہ عامہ اور اصلاح رعایا کے امور ایسی خوبی اور دل سوزی سے انجام دیئے گئے کہ تمام ہندوستان کے بڑے بڑے عالم، قاضی اور مفتی نے جن کی وجہ سے کفرستان ہند میں اسلام کی بنیاد قائم تھی۔ شیر شاہ کو الامام العادل کا خطاب دے کر اس کی عدالت کو عدالت کے حقیقی معنوں میں تسلیم کر لیا۔

ان واقعات سے تو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ ان علماء اور محدثین نے اُس کے ظاہری محاسن اور اوصاف کے مقابلہ میں اُس کے غلط استحقاق فی الامارت اور بیجا اور تصرفات فی الحکومت کا کوئی خیال نہیں کیا۔ اُس کے ظاہری اوصاف و محامد پر اعتبار کر کے اس کو تمام اہل اسلام کا امام عادل اور خلیفہ برحق تسلیم کر لیا۔ حالانکہ ان علماء اور فضلاء کو اگر حقیقت میں وہ کچھ جانتے تھے۔ تو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ ہنوز دلی دور است۔ شیر شاہ غریب کس شمار میں ہے اور اس بیچارے کی کیا حیثیت۔ ان سے پہلے اور بہت پہلے کے اسلامی خلفاء اور سلاطین پہلے

اپنے آپ کو امام عادل ہونے کے قابل بنالیں۔

بہرحال میری اس طول و طویل تحریر سے ثابت ہوگیا۔ کہ اہل الرائے و التدبیر سلاطین کے ظاہری اوصاف پر بالکل اعتبار کرتے ہیں۔ اور ان کی مختلف رائوں کا دارمدار ان لوگوں کی تدبیر اور سیاست کے ظاہری محاسن پر ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کو چھوڑ کر یہ لوگ سلاطین کے دیگر اندرونی اور بیرونی حالات پر بہت ہی کم توجہ کرتے ہیں۔ اور ان کی نسبت ان اقسام کے تعریفات کو زوائد اور حشویات سے شمار کرتے ہیں۔

مگر ان لوگوں کے خلاف۔ اخلاق کا ایک مستعد عالم عام ہمدردی اور رعایت کا سچا ساعی رعایا اور قوم کا دلسوز مصلح جب کبھی ان لوگوں کے حالات کا تفحّص کرے گا۔ اور ان کو اپنے معلومات کے اصول پر جانچے گا۔ تو ضرور ان کے تمام عیوب کو دودھ کی طرح دودھ اور پانی کی طرح پانی کے ایسا جُدا جُدا کر کے بتلا دیگا۔ کہ ان میں یہ عیب تھے۔ اور یہ مناقص مگر یہ امتیاز انہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص بھی ہیں۔ ظاہر بیں نگاہوں میں ان کا دکھلائی دینا محال کے قریب پہنچا ہوا ہے۔ کیونکہ ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش کردند۔ کے اضافی اوصاف نے ساری دنیا سے اپنی یکتائی۔ بے عیبی اور صفائی کا سرٹیفکٹ لے لیا ہے۔ جو ہے وہ اسی کا فریفتہ اور جو ہے وہ اسی کا شیفتہ۔ اسی عالم لیکن غلط اصول پر زیادہ تر اہل زمانہ نے اپنا عمل درآمد شروع کردیا۔ اور سلاطین کے معائب و مناقص کو اس قدر چھپایا۔ اور اُن میں ایسی ایسی رکیک تاویلیں نکالیں۔ کہ آخرکار ان کے طرزِ تحریر سے مشرقی قوموں کی طرف سے امرا پرستی کی صاف صاف بو آنے لگی۔

مامون کے تمام حالات کو انہیں تالیفات و تصنیفات کا موضوع سمجھنا چاہئے۔ مامون ہی پر موقوف نہیں۔ مامون کے ایسے ہزاروں تاریخوں میں بھرے پڑے ہیں۔ ان امور کے علماء فضلاء مورخین اور مورخین کا سلطنت کے زبردست اثر اور دست نگر بن کر رہنا۔ یہی ان امور کی بہت بڑی شہرت کا باعث ہوا ہے۔ اسلامی تاریخوں میں یہ طریقہ کچھ مامون کے زمانہ کی ایجاد نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ مامون سے صدہا برس پہلے یہ آئین خلافت کے تمام زمانہ میں جاری اور شائع پایا جاتا ہے۔ اور اس کی ابتدا بھی معاویہ ابن ابوسفیان کے زمانہ سے پائی جاتی ہے۔ اور اس طریقہ کا اثر کچھ تاریخ اور سیر کی کتابوں میں تنہا نہیں پایا جاتا۔ بلکہ علوم دینیہ مثل علم التفسیر۔ علم الفقہ۔ اور علم الحدیث وغیرہ میں

بھی اس کا پورا اثر ثابت ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے موجودہ مضامین میں ان امور کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کریں۔ تو بہت بڑی طوالت ہوگی۔ اس لئے ہم اس سے قطع نظر کر کے اُن کی تصدیق و توثیق وغیرہ کو کتب رجال اور کتب موضوعات کے مطالعہ پر اُٹھا رکھتے ہیں۔
مامون کی تحقیق مذہب۔ دینداری۔ تقوے اور پرہیزگاری کی بحث بھی اوپر کئی مضامین میں لکھی جا چکی ہے۔ اور اسی طرح اس کے شیعہ ہونے کی اصلی کیفیت بھی مختلف مقاموں پر بیان ہو چکی ہے۔ اور اُس کے اخلاص و عقیدت کی بابت بھی کامل تحقیق تحریر ہو چکی ہے۔ اس لئے اُس کے متعلق بار دیگر کسی اعادہ اور اضافہ کی کوئی احتیاج اور ضرورت نہیں ہے۔ مگر با ایں ہمہ مامون کے تمام اندرونی اور بیرونی حالات پر نظر کر کے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے۔ کہ مامون کے ذاتی حالات اور اُس کے اطوار و عادات ظاہری طور پر بمقابلہ دیگر سلاطین عباسیہ عام نگاہوں میں ضرور خوش آئند معلوم ہونے کے قابل تھے۔ اور وہ بھی۔ اپنی ظاہری محاسن کے قائم رکھنے کی ضرورت سے۔ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں کے ساتھ رفق و مدارا کے طریق قائم رکھتا تھا۔ اور ملکی رعایا کی دلجوئی اور خاطر کے موقعوں کی خوب دیکھ بھال کرتا تھا۔ کیونکہ ان کی پرجوشی۔ بدنظمی اور عام ناراضی سے ایک بار نہیں دو دو بار اُس کو عبرت اور ہدایت کا سبق مل چکا تھا۔ اس وجہ سے مامون نے بغداد پر پھر بار دیگر تسلط پا کر اُن کی تمام شکایتوں کو ان کے حسب دلخواہ رفع کر دیا۔
بہرحال۔ مامون کے ظاہری طرز عمل بیرونی نگاہوں میں ضرور خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اس تنہا اور نمائشی خوشنمائی کو اُس کی باطنی اور قلبی پاکیزگی اور صفائی کی دلیل سمجھ کر اُس کی عدیم المثالی اور یکتائی ثابت کرنا سراسر بے اصول اور بالکل فضول ثابت ہوتا ہے۔
مامون کے عادات و خصائل کو اپنی موجودہ ضرورت کے مطابق لکھ کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

معتصم باللہ کی سلطنت

پہلی رجب ۲۱۸ھ ہجری کو مامون نے وفات پائی۔ اور پہلی رمضان المبارک ۲۱۸ھ ہجری کو معتصم نے محاصرۂ روم سے واپس آکر بغداد میں تخت خلافت پر جلوس کیا۔
طبری کا بیان ہے۔ کہ ۲۰۸ھ ہجری سے مامون نے اپنے بھائی معتصم کو اپنا ولی عہد تسلیم کر کے تمام احکام سلطانی اور فرامین خسروانی کو اس عنوان سے لکھے جانے کا عام حکم دیدیا تھا۔ مت

عبداللہ مامون ومن خلیفتہ معتصم۔ یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ مامون کی وفات، سے آٹھ برس پہلے معتصم کی ولی عہدی کا اعلان تمام ممالک محروسہ میں پورے استحکام کے، ساتھ ہو چکا تھا۔ اگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو مامون کی ولی عہدی کا مسئلہ ہمیشہ ہزاروں اختلاف کا باعث ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر ان تمام اختلافات کے اسوا مامون کی ولی عہدی ایسی عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے۔ جس سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ مامون اپنی ولی عہدی کے انتخاب کو ذاتی کمال۔ جامعیت اور استعداد کے اصول اور اعتبار پر اختیار نہیں کرتا تھا۔ بلکہ زیادہ تر موقع اور وقتی مصلحت پر اپنی نظر رکھتا تھا۔ جس شخص کی جس موقع اور جس وقت پر ضرورت دیکھی گئی۔ وہی ولی عہدی کے لئے اختیار کیا گیا۔ چنانچہ یہی طبری لکھتا ہے۔ کہ مامون نے پہلے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ولی عہد بنانے کے ساتھ ہی یہ شرط کی تھی۔ کہ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے جناب امام محمد تقی علیہ السلام ولی عہد سلطنت معین کئے جائیں گے۔ اور پھر اُسی طبری کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مامون نے اپنی وفات سے آٹھ برس پہلے معتصم کو اپنی ولی عہدی کے لئے منتخب کر کے اپنے تمام ممالک محروسہ میں علے الاعلان مشتہر کر دیا تھا۔

بہرحال یہ سب مامون کی تدبیر ملکی کے عجیب وغریب نیرنگ ہیں۔ جو واقع ہوتے گئے۔ اور مامون بھی بمصداق آنکہ ع ہر سخن نکتہ وہر نکتہ مقامے دارد۔ جیسا وقت اور موقع دیکھتا گیا اپنا کام کرتا گیا۔

عباس ابن مامون اور معتصم، عباسیوں کا نیا مفسدہ

یکم رمضان ۲۱۸ھ ہجری کو معتصم بغداد میں خلیفہ ہوا۔ اُس کا تخت خلافت پر قدم رکھنا تھا کہ عباسیوں کی خلافت نے کروٹ بدلی۔ اور اہل لشکر اور رعایا کو قدیم دستور کے مطابق اپنی سازش میں لا کر عباس ابن مامون کی امارت کا رنگ جمانے لگے۔ قریب تھا۔ کہ طرفین سے فتنہ وفساد کے طوفان عظیم اُٹھیں۔ اور دارالخلافت بغداد میں پھر وہی ہنگامے اور وہی شورشیں برپا ہوں۔ جو دس برس پہلے واقع ہو چکی ہیں۔ اتفاق سے معتصم کی بہت جلد آنکھیں کھل گئیں۔ اور اُس نے بہت جلد اس آنے والی بلا سے اپنی نجات اور مخلصی کی فوری ترکیب سوچ لی۔ وہ یہ تھی۔ کہ اُس نے عباسیوں کی اس سازش کی خبر پاتے ہی فوراً عباس کو اپنے پاس بلا کر نظر بند کر لیا۔ عباس کا معتصم کے قبضہ میں آجانا تھا کہ عباس

کے جانبداروں کے تمام حوصلے پست اور اُن کے سارے بندوبست شکست ہوگئے معتصم نے عباس ابن مامون کے ساتھ کچھ ایسے وعدے وعید اور معاہد شدید کئے۔ کہ آخرکار وہ اس کی عالم فریبی کے گرم فقروں میں آگیا۔ اور اُس کی بیعت اختیار کرنے پر راضی ہوگیا۔ اور معتصم نے ایسے عمدہ اور خاص موقع کو ایک ساعت کے لئے بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ اور اُسی وقت عباس ابن مامون کو تمام امرا و اراکین اور عمائد و اکابر کی ایک بہت بڑی جماعت میں لاکر اس سے اپنی امارت کا اقرار اور اپنی بیعت بھی کرالی۔ عباس نے بے چوں وچرا معتصم کی بیعت کرلی۔ اب کیا باقی رہ گیا۔ دو ایک روز کے بعد عباس کی امارت یا اُس کے استحقاق فی الخلافت کے تمام ذکر و اذکار لوگوں کے دل سے فراموش ہوگئے۔ اور بنی عباس اور اُن کے تمام جنبہ دار بھی خاموش ہوکر اپنے اپنے مقام پر بیٹھ رہے معتصم بھی اس اتفاقی اور ناگہانی واقعہ کو ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔ کا مصداق سمجھ کر اپنے ملکی کاروبار میں مصروف ہوا۔ اور عباس ابن مامون یا اُس کے طرفدار عباسیوں کے ساتھ کسی آیندہ سیاست یا معاوضے کو مناسب وقت نہ سمجھا۔

بابک کا خاتمہ اور دارالخلافت بغداد میں رومیوں کا عروج

ہم مامون کے حالات میں لکھ آئے ہیں۔ کہ بابک ملحد نے جنوبی ایران میں خروج کرکے بہت سے لوگوں کو اپنا مطیع و منقاد بنالیا تھا۔ مامون پہلے اُس کے معاملات کو سہل اور آسان سمجھا تھا۔ اور محض جنگی افسروں کو اُس کی مہم کے لئے کافی خیال کیا تھا۔ مگر بابک کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے سامنے مامون کے جنگی افسروں سے کوئی کام نہیں نکلا۔ اور وہ سب کے سب اُس کے مقابلہ میں ہزیمت پہ ہزیمت اور شکست پر شکست اٹھاتے گئے۔ اس وجہ سے بابک کی بغاوت کے معاملات مامون کے زمانہ حیات تک برابر ترقی پر ترقی کرتے گئے۔ اور مامون کو اس کے دفعیہ کے لئے کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا۔

مامون کے فوجی افسروں کے ناکامیاب رہنے کی حقیقت یہ ہے۔ کہ بابک اپنی جماعت کے ساتھ مقام حصین میں قیام گزین ہوا۔ اور اطراف وجوانب میں اپنی امارت اور حکومت کا علانیہ اظہار کیا۔ اور تھوڑے دنوں میں پھر تو چاروں طرف اس کی امارت و حکومت کے سکے جم گئے۔ اور اس کے پاس دس ہزار سے زیادہ کی جمعیت فراہم ہوگئی۔

مامون کو اس کی خبر معلوم ہوئی۔ تو اُس نے بغداد سے متعدد فوجیں اور مختلف لشکر جیسا کہ اس سے پہلی کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔ متفرق جنگی افسروں کی ماتحتی میں اس کے مقابلہ میں روانہ کئے۔ مگر یہ سب کے سب بابک سے شکست کھا کر بغداد واپس آئے۔ ۲۱۲ھ ہجری میں مامون نے از سر نو محمد ابن حمید کو ایک گرانبار لشکر کے ساتھ پھر بابک کی مہم پر تعینات کیا۔ چنانچہ محمد کامل ایک برس تک بابک کے ساتھ الجھا رہا۔ آخر کار اسی کش مکش میں بابک کے طرف داروں نے محمد کو قتل کر ڈالا۔ اس کے مارے جانے کے بعد اُس کی ہمراہی فوج بغداد کو واپس آئی۔

مامون کو محمد ابن حمید کے مارے جانے کا سخت صدمہ ہوا۔ اس کی نظر میں طاہر ذوالیمینین کے سوا کوئی دوسرا شخص بابک کے مقابلہ کے لئے موزوں نہیں تھا۔ اس لئے اُس نے طاہر کو مصر کی امارت سے عاریتاً بلا کر بابک کی مہم پر روانہ کیا۔ مگر ذوالیمینین کے دست وبازو سے بھی کوئی کشود کار نہ ہوئی۔ ذوالیمینین جونہیں بابک کے مقام بغاوت سے قریب پہنچا۔ اس کو یکایک خراسان میں اپنے بھائی کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی۔ اور وہ اس کی وفات کے باعث اپنے امور خانگی میں مختلف قسم کے حرج اور خلل واقع ہونے کا یقین کر کے فوراً خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ اور بابک کے معاملات ابکی بار بھی ویسے کے ویسے ہی رہ گئے۔ بلکہ صاحب روضۃ الصفا کے اسناد کے مطابق تو اس کے کاموں میں طاہر کی واپسی سے اور استحکام اور قوت آگئی۔ اور بابک ہر طرف سے آزاد اور مطمئن ہو کر اپنے آپ کو اس دیار و امصار کا تاجدار اور مامون کا ہم پلہ اور ہم وزن سمجھنے لگا۔ مامون نے بھی طاہر کی واپسی کی خبر پا کر بابک کی طرف سے ایک بار کچھ ایسا سناٹا کھینچا۔ کہ پھر مرتے دم تک اس کا نام بھی نہ لیا۔

بہرحال۔ مامون کے وقت تک بابک کے تمام حالات ویسے کے ویسے ہی بنے رہے۔ بابک نے مامون کے بعد معتصم کے زمانہ حکومت میں جرأت کر کے اپنے ہاتھ پاؤں پہلے سے بھی زیادہ پھیلا دئے۔ اور اصفہان وہمدان دو اور علاقوں کو اپنے زیر اثر کر لیا۔ اور معتصم کے انتظام اور حکم واحکام کو ان دونوں علاقوں سے اٹھا دیا۔ معتصم کو اس کی خبر لگی۔ تو وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔ اس نے حیدر ابن کاؤس کو جو ماوراء النہر کے امیر زادوں میں تھا۔ اور جسے خود معتصم نے پالا تھا۔ اور اس کا نام افشین رکھا تھا۔ چالیس ہزار فوج جرار

کے ساتھ بابک کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ افشین نے ایک مدت تک اُس کے ساتھ مقابلہ کر کے آخرکار اس کو ہزیمت پہنچائی۔ اور بابک اُس سے کامل شکست کھاکر ممالک آرمینیہ کی طرف چلا گیا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اور معتصم

ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ مامون کے وقت ہی میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بغداد سے ام الفضل کو لے کر مدینہ چلے آئے تھے۔ اگرچہ امّ الفضل کو آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے دو تین برس گزر چکے تھے۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کسی وقت میں وہ آپ کے لئے خیر خواہ۔ ہمدرد اور آرام دہ ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ ان امور کے خلاف وہ ہمیشہ آپ کی برائی کی خواہاں اور آپ کے معائب اور مناقص کی جویاں رہتی تھی۔

یہ امور کچھ قیام مدینہ ہی پر منحصر نہیں تھے۔ بلکہ بغداد کی سکونت کے وقت بھی وہ اسی طرح آپ کے درپے آزار بنی رہتی تھی۔ اور اپنی طرف سے جھوٹ اور غلط الزام آپ کی ذات ستودہ آیات پر لگایا کرتی تھی۔ ہم پہلے موجودہ سلسلۂ بیان میں بغداد کے واقعات بیان کریں گے۔ اور اس کے بعد مدینہ کے حالات بالترتیب مندرج کریں گے۔

سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ جناب حکیمہ خاتون دختر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے اسناد سے امّ الفضل کی خاص زبانی نقل کرتے ہیں۔ کہ میرے بھائی جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات کے بعد۔ اُن کی زوجہ ام الفضل نے گریہ وزاری کر کے ان حضرت کے بہت سے اوصاف بیان کئے۔ اور کہا کہ اے عمہ اگر آپ کہیں تو اس وقت آپ سے ایک ایسی عجیب وغریب نقل بیان کروں کہ آج تک آپ نے ویسی کبھی نہ سُنی ہوئیں میں نے کہا۔ ہاں بیان کرو۔

امّ الفضل نے بیان کیا۔ کہ میں ایک روز اپنے محل میں بیٹھی تھی۔ کہ یکایک میری نظر ایک خوبصورت اور خوش گفتار عورت پر پڑی۔ جو ابھی ابھی آکر میرے پاس کھڑی ہوئی تھی میں نے اُس سے پوچھا تم کون ہو۔ اُس نے کہا۔ کہ میں جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں۔ اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی زوجہ ہوں۔

میں نے اُس کے سامنے تو ضبط کیا۔ مگر یہ سن کر کہ امام محمد تقی علیہ السلام کی زوجہ ہوں میرے پیروں سے لگ گئی۔ جب وہ چلی گئیں۔ تو مُنہ لپیٹے میں دیر تک اسی کوفت میں پڑی رہی

نصف شب سے جب رات زیادہ گئی ۔ تو میں گریۂ و نالاں اپنے باپ مامون کے پاس گئی ۔ اور وہ اس وقت شراب کے نشہ میں بدمست پڑا تھا جب میں اُس کے پاس پہنچی ۔ تو میں نے اُس سے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی شکایت شروع کر دی ۔ اور اپنے سلسلۂ تقریر میں یہاں تک اُس سے کہہ دیا ۔ کہ وہ میرے مقابل اور ازواج سے اختلاط فرماتے ہیں ۔ اور میں جب ان امور کی شکایت ان کی خدمت میں کرتی ہوں ۔ تو وہ مجھے ۔ اور آپ کو ۔ اور آپ کے باپ کو اور تمامی آباؤ اجداد کو کلمات ناسزا اور بہت کچھ بُرا بھلا کہتے ہیں ۔

مامون ۔ ایک تو یوہیں حالت نشہ میں تھا ۔ اس پر میرے یہ کلام سن کر اس کے بدن میں اور آگ لگ گئی ۔ اور فوراً اٹھا اور شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی محلسرا کی طرف روانہ ہوا ۔ یہ دیکھ کر چند خادم اُس کے ہمراہ ہو لئے ۔ جب وہ آپ کی خوابگاہ کے قریب جا پہنچا تو اُس نے آپ کو فرش خواب پر سوتا پایا ۔ عالم نشہ میں مامون کچھ ایسا بیخود اور مبہوت ہو رہا تھا ۔ کہ اُس نے آپ کو خواب راحت سے جگایا بھی نہیں ۔ بلکہ فوراً تلوار کھینچ کر آپ کو مارنے لگا ۔ اور اپنے حسابوں آپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ۔ اور پھر اُسی طرح اپنے مقام کو واپس آیا ۔

میں نے جب حقیقت حال سُنی تو مجھ کو اپنی اس ناہنجار حرکت پر سخت ندامت ہوئی ۔ اور مجھ کو اس قدر رنج و ملال لاحق حال ہوا ۔ کہ میں اپنے ہاتھوں سے آپ اپنے مُنہ پر طمانچے مارنے لگی ۔ جب صبح ہوئی ۔ تو یاسر خادم نے میرے باپ سے کہا ۔ کہ آپ سے رات کو نشہ کے عالم میں ایک ایسی حرکت ہوئی ہے ۔ جس کی تلافی کی عمر بھر کوئی سبیل ممکن نہیں ہو سکتی

مامون اس وقت اپنے حواسوں میں تھا ۔ اور اس کو رات کی سرگزشت کا کوئی علم نہیں تھا ۔ یاسر کا یہ بیان سُن کر تعجب سے کہنے لگا ۔ کہ میں نے کیا کیا ۔ مجھے تو کچھ بھی خیال نہیں ہے ۔ یاسر نے جواب دیا کہ رات کو ام الفضل کے کہنے سے آپ نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ۔

یہ سننا تھا ۔ کہ مامون کے ہوش و حواس جاتے رہے ۔ اور وہ پریشان و پشیمان ہو کر اپنا مُنہ آپ پیٹنے لگا ۔ جب اُس کے موجودہ اضطراب میں کسی قدر سکون آیا ۔ تو اس نے یاسر کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خلوت سرا میں دریافت احوال کی غرض سے بھیجا ۔ وہ آپ کے پاس پہنچا ۔ تو دیکھا ۔ کہ آپ حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے مسواک کر رہے ہیں یاسر نے سلام کیا ۔ آپ نے اُس کو متبسم ہو کر

سلام کا جواب دیا۔

اس کے بعد یاسر نے عرض کی۔ کہ اس وقت مجھے خدمت مبارک میں کچھ گذارش کرنی ہے اجازت ہو تو عرض کروں۔ ارشاد ہوا۔ ہاں اجازت ہے۔ مگر اتنا توقف کرو کہ میں نماز پڑھ لوں یہ فرما کر آپ نماز میں مشغول ہو گئے۔

آپ ادھر نماز میں مصروف ہوئے۔ ادھر یاسر دوڑتا ہوا مامون کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا اے امیر آپ کو مبارک ہو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بحمد اللہ تعالےٰ صحیح و سلامت ہیں۔ اور انہیں کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا ہے۔ اس وقت میں انہیں نماز میں مصروف چھوڑ کر آپکی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ مامون نے یہ سن کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور اُسی وقت ایک ہزار درہم یاسر کو عنایت کئے۔ اور حکم دیا۔ کہ بیس ہزار درہم جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں میری طرف سے پیش کش کئے جائیں۔ چنانچہ یاسر خادم یہ شاہی ہدیہ لے کر آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ آپ نماز سے اتنے میں فارغ ہو چکے تھے۔ یاسر نے چاہا۔ کہ آپ کے جسم مبارک کو دیکھے۔ کہ اُن زخموں کے نشان بھی ہیں یا نہیں۔ اس حیلہ سے یاسر نے آپ کی خدمت میں عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ پیراہن جو اس وقت آپ پہنے ہیں اتار کر مجھے عنایت فرمایا جاوے کہ میں اسے اپنے کفن کے لئے رکھ چھوڑوں۔ چنانچہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنا پیراہن مبارک اتار کر اُسی وقت مجھے دے دیا۔ اور فرمایا جو تو نے کہا ہے۔ وہی شرط ہے۔

یاسر نے کہا یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فعل سے مامون کو ذرا خبر نہیں۔ بلکہ وہ تو خود نادم اور پشیمان ہے۔ یاسر کا بیان ہے کہ اسی اثناء میں میں نے آپ کے جسم اطہر کی طرف دیکھا تو آپ کے جسم نورانی پر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں پایا۔ میں آپ کی خدمت سے لوٹا۔ تو مامون سے سارا ماجرا کہہ دیا۔ یہ سن کر مامون نے وہ گھوڑا جس پر سوار ہو کر اُسی رات کو سفر سے آیا تھا۔ اور وہ تلوار جو ہمیشہ اس کی خاص کمر سے لگی رہتی تھی۔ اور عام اصطلاح میں شمشیر خلافت کہی جاتی تھی۔ ہدیہ کے طور پر آپ کی خدمت میں اُسی وقت بھجوا دی۔

ام الفضل کا بیان ہے۔ کہ پھر میرے باپ مامون نے اُسی وقت میرے پاس کہلا بھیجا۔ کہ اب آج سے اگر میں نے تجھ سے کوئی کلام جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے خلاف کہتے ہوئے سُنا۔ تو یاد رکھنا۔ میں تمام عمر پھر تیرا مُنہ نہ دیکھوں گا۔

اس کے بعد وہ اپنی حرکات کی معافی اور مظالم کی تلافی کے لئے خود خدمت بابرکت میں حاضر ہوا
آپ نے اس کی تمام عذر و معذرت کے جواب میں صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ تم شراب
نہ پیا کرو۔ مامون نے اُسی وقت آپ کے مقابلہ میں شراب خوری سے توبہ کی۔ جلاء العیون ص۱۱
اس واقعہ کو پڑھ کر جس کی ناقل خود ام الفضل ہے معلوم ہوگیا۔ کہ اس کو جناب محمد تقی علیہ السلام
کے ساتھ محبت و الفت کی جگہ سخت مخالفت اور عداوت تھی۔ اس کی شکایت اور
اتہام کا یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ بلکہ اس سے پہلے بھی۔ اور اس کے بعد بھی۔ مختلف موقعوں
پر مامون کے پاس آپ کی نسبت ایسی ہی جھوٹی شکائتیں کی ہیں۔ اور انواع و اقسام کے الزام
و اتہام آپ کی ذات ستودہ صفات پر لگائے ہیں۔

یہ تو بغداد کے قیام کے زمانہ کے خاص الزام تھے۔ جو ام الفضل نے حضرت امام محمد تقی
علیہ السلام کی ذات پر لگائے۔ اب مدینہ منورہ میں پہنچ کر بھی جو اتہام اور تہمت اس نے
آپ پر لگائی وہ بھی ایسی ہی تھیں۔ چنانچہ صاحب صواعق محرقہ لکھتے ہیں۔

ثم توجه بها الی المدینة فارسلت تشتکی منه لابیها انه تسری علیها فارسل الیها
ابوها انا لم تزوجك له لنحرم علیه حلالا فلا تعودی بمثله

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام۔ ام الفضل کو لیکر مدینہ پہنچے۔ تو وہاں سے ام الفضل نے
اپنے باپ مامون کو لکھ بھیجا۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کنیزوں کے ساتھ اختلاط رکھتے
ہیں۔ ماموں نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا۔ کہ میں نے تیرا نکاح اُن سے اس لئے نہیں کیا
ہے۔ کہ تو اُن پر خدا کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کردے۔ پھر ایسی باتیں ہرگز نہ کیجیو۔

بہرحال۔ ان واقعات سے ام الفضل کی شریر اور مفسد طبیعت کا انداز پورے طور سے مل گیا
تو مامون نے پھر اُس وقت سے اُس کی کسی بات پر کبھی اعتبار نہیں کیا۔

امّ الفضل کی مخالفت کی وجہیں

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی معاشرت کا زمانہ کسی طرح آپ کے لئے راحت بخش اور تسکین
دہ نہیں تھا۔ آپ کی شانزدہ سالہ معاشرت کے تمام و کمال زمانہ میں کبھی کسی موقع پر ام الفضل
نے آپ کے ساتھ پاہمانہ محبت و الفت کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ برعکس اس کے مادام الحیات اُس
کی طرف سے آپ مخالفت اور مخاصمت ثابت ہوتی گئی۔

ام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے جو مخالفت تھی۔ اس کی خاصکر دو وجہیں پائی

جاتی ہیں۔ایک تو فطرتاً اس کو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی والدہ مقدسہ کے ساتھ نکاح کرنا نہایت سخت گزرا تھا۔ دوسری یہ کہ اُس کو اکثر اوقات اپنی امارت اور شاہزادی ہونے کی مفاخرت بھی حد سے زیادہ مغرور اور سرکش بنائے تھی۔ یہ خیال تو اُس کا ذاتی تھا۔ اور کچھ حضرات عباسیہ کی اشتعال مخالفانہ تھی۔ جو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مخصوص عداوت اور مخالفت کی بنا پر اُس کو دی گئی تھی۔

مدینہ منورہ کا قیام اور آپ کے مشاغل

بہرحال۔حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے مامون کی اس مجنونانہ حرکت کے بعد اپنے امور کے متعلق سوچا کہ بغداد کے آئندہ قیام سے ممکن ہے۔کہ ام الفضل کی مخالفانہ تحریک اور معاندانہ اشتعال کی بنا پر مامون ہماری ہلاکت کا درپے ہو۔ اور اتفاق سے کوئی وقت بھی ایسا ہی آلگے۔کہ وہ میری سیاست کو ضروری اور واجب التعمیل سمجھ کر میری معافی اور واگذاشت کا قصد نہ کرے تو پھر ولا تلقوا ابیکم فی التھلکۃ کے خلاف تعمیل واقع ہوگی۔ اور پھر ایسی حالت میں کوئی تدبیر مفید اور کارگر نہ ہوگی۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے یہ مصمم ارادہ کر کے مراجعت مدینہ کی مامون سے خود درخواست فرمائی۔ اور اُس نے بھی کوئی وجہ آپ کے روک رکھنے کی نہ دیکھ کر آپ کو بطیب خاطر ام الفضل کے ہمراہ رخصت کر دیا۔ آپ کا یہ سفر ۲۱۴ھ ہجری میں واقع ہوا۔ اس حساب سے آپ کوئی آٹھ برس تک مامون کے پاس دارالخلافت بغداد میں قیام فرما رہے۔ بغداد کے قیام کے تمام زمانے میں بھی آپ کے وہی مشاغل تھے۔ جو آپ کے آبائے کرام علیہم السلام کے پائے جاتے ہیں۔ جناب امام جعفر صادقؑ علیہ السلام اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے منصور۔ مہدی اور ہادی کے ایّام میں بغداد کے قیام کی مدت جن مشاغل میں صرف فرمائی۔ انہیں مشاغل میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے بھی آٹھ برس تمام کئے۔ اس زمانہ میں آپ کے اشغال تعلیم و ارشاد کے سوا اور کچھ پائے نہیں جاتے۔ اہل اسلام کے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی جماعت تحصیل علوم اور دریافت مسائل کی غرض سے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا کرتی تھی۔

اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی کمال الطاف و اشفاق سے اُن کو اپنے فیضان ارشاد و ہدایت سے مستفید و مستفیض فرمایا کرتے تھے۔ یہی کیفیت تمام تحقیق طلب حضرات کے ساتھ

تھی۔ جس شخص کو جس امر کی حقیقت دریافت کرنی ہوئی۔ یا جس کو جس مسئلہ شرعیہ کے متعلق کچھ دریافت کرنا ہوا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے مسائل کا خاطر خواہ جواب پاکر فائز المرام اپنے مقام کو واپس ہوا۔ عام مرجوعہ کی آخرکار یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ کہ بقول ملا مجلسی علیہ الرحمۃ والغفران۔ ایک مجلس میں تیس تیس ہزار مسئلے آپ سے پوچھے گئے۔ اور آپ نے ان دشواریوں کو کچھ نہ سمجھا۔ اور باستقلال حواس واستحکام واطمینان تمام ان مسائل کے خاطر خواہ اور کافی جواب عنایت فرمائے۔

وھذا افضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

فرقہ واقفیہ کی رجوع

آپ کے موجودہ زمانۂ قیام کی بہت بڑی یادگار جو تاریخ وسیر کی تمام کتابوں میں آج تک محفوظ پائی جاتی ہے۔ وہ فرقہ شیعہ کے اُس گروہ کی بار دیگر رجوع ہے۔ جو بوجہ کمسنی کے آپ کی امامت میں مشکوک تھے۔ ان لوگوں کی مفصل کیفیت اوپر لکھی گئی ہے۔ حقیقت میں یہ لوگ فرقہ واقفیہ کے متعلق تھے۔ جو جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو ایک عرصہ تک لاولد پاکر پہلے تو آپ ہی کو ناقابل امامت سمجھتے رہے۔ مگر جب حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو پھر اُن کو مجال سخن باقی نہ رہی۔ آخرکار آپ کی کم سِنی پر اعتبار کرکے امامت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے متعلق ہزاروں اعتراض کرنے لگے۔ غرضکہ اس عقیدۂ فاسدہ کے کثیر التعداد لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں نے یا خود حاج کے ایام میں یہ صلاح کی تھی۔ کہ بغداد میں جاکر علوم دینیہ کے متعلق حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا امتحان لیں۔ اگر وہ معیار امتحان پر کامل اتریں۔ تو اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح بیشک امام اور مقتدائے مومنین ہیں۔ اور اگر نہیں۔ تو بیشک ہمارے دعوے صحیح ہیں۔ یہ جماعت کی جماعت مناسک حج سے فارغ ہوکر بغداد میں آئی۔ اور ایک دن خاص اس کے لئے مقرر کرکے صبح سے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی۔ اور شام تک مسائل پر مسائل پوچھتی رہی۔ اور علم التفسیر علم الحدیث علم الفقہ اور علم الکلام کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جس کے بارے میں آپ سے کامل طور پر استفسار نہ کیا ہو۔ آپ نے اُن کے تمام سوالوں کے جواب ایسے شافی اور کافی طور پر دئے کہ پھر ایک بار کے سوا دوسری بار کسی کو آپ سے پوچھنے کی ضرورت واقع نہیں ہوئی۔

جب علوم متداولہ کی تمام شاخیں تمام ہوگئیں۔ اور یہ اپنی بساط کے مطابق حجّت الہی اور مصدر علوم لامتناہی کی آزمائش کر چکے۔ تو آخر کار ان لوگوں نے آپ کی امامت کے خاص مسئلہ کو پھر آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے اُس کو بھی ایسے دلائل واضح اور براہین ساطع سے بیان فرمایا۔ کہ مُلا مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اُن سب نے آخر کار سب طرف سے معقول ہو کر آپ کی امامت کا اقرار کیا۔ اور اپنے عقائد فاسدسے تائب ہو کر مسلک حقہ پر راسخ ہو گئے۔

مدینہ کے قیام میں آپ کے مشاغل

اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آ جاتے ہیں۔ ۲۱۲ھ ہجری میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بغداد سے آکر مدینہ منورہ میں پھر سکونت فرما ہوئے۔ مراجعت فرمانے کے روز سے وفات کے دن تک کل سات برس اور چھ مہینے آپ اور قیام فرما رہے۔ اس زمانہ میں بھی آپ منصب امامت کی خدمات آزادانہ طور پر نہایت اطمینان و فراغت سے انجام دیتے رہے۔ علماء و فضلائے مدینہ خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آپ کی تعلیم وارشاد سے ہمیشہ مستفیض ہوتے رہے۔ اور آپ کے حلقۂ درس اور موعظت میں شریک ہو کر علوم الہی اور اسرار لامتناہی کے ایسے نکات اور تحقیقات معلوم کرتے تھے۔ جن کی تحصیل اور تکمیل کی امید بمفاد آیۂ وافی ھدایہ واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ سوائے اُس مقدس سلسلہ کے اور کسی خانوادہ سے کرنا قطعی ناممکن ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے کمال علمی اور جامعیت کا شہرہ۔ اور آپ کے ارشاد و ہدایت کا آوازہ باوجود اس کے کہ ایک مدّت تک فرقہ واقفیہ کے لوگ آپ کے خلاف کوشش فرماتے رہے۔ کچھ حجاز ہی کی حدود تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ طالبان حق۔ عراق یمن حضرموت۔ الجزائر۔ شام اور مصر تک سے جوق جوق آپ کی خدمت میں کسب علوم کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اور آپ کے چشمۂ علم و ہدایت سے سیراب اور کامیاب ہو ہو کر اپنے اپنے مقام کو واپس جاتے اور وہاں پہنچ کر آپ کے فضل و کمال کو اپنے ملک اپنی قوم اور قبیلہ میں پھیلاتے تھے۔ اور اس طرح دوسروں کو بھی آپ کی زیارت کا متمنی اور شائق بناتے تھے۔ دوسرے سال وہ سعادت مندانہ زمانہ بھی اپنے اپنے مقام سے سفر کی تکلیف۔ غربت کی زحمت اٹھا کر آتے تھے۔ اور زیارت و ہدایت کی سعادت

کو نین حاصل کرتے تھے۔

مدینہ منورہ سے زیادہ مکۂ معظمہ میں (خصوصاً ایام حج میں) شائقین مومنین کی کثرت ہوتی تھی۔ اور اکثر حضرات اس موقع خاص پر حاضر خدمت ہوکر اکتساب فیض ورشاد سے مستفیض اور بہرہ اندوز ہوا کرتے تھے۔ ان صحبتوں میں اکثر دو قسم کے لوگ شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک تو وہ جو عقیدت اور ارادت کے اعتبار سے مخلصانہ سوال کرتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو اپنی کوتاہ عقلی اور جہالت کے تقاضے سے آپ کی استعداد و جامعیت کے امتحان لینے کی غرض سے خدمت بابرکت میں مسائل پر مسائل اور سوال پر سوال پیش کیا کرتے تھے۔ مگر اپنے تمام سوالوں کے کافی اور تشفی بخش جواب پاکر ایسے نادم اور پشیمان ہوتے تھے۔ کہ پھر خدمت بابرکت میں لب کشائی کی آئندہ جرأت نہ کرتے تھے۔

اسمٰعیل ابن ابراہیم اور علی ابن جعفر صادق علیہ السلام

یہ بزرگوار قرابت میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے چچا ہوتے تھے۔ اور جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے دادا۔ بہت بڑے صاحب کمال۔ صاحب استعداد اور صاحب سواد تھے۔ اور اس وقت حجاز کے مرکز علمی کا منتہائی نقطہ بنے ہوئے تھے۔ ان کا حلقۂ درس بہت وسیع ہوتا تھا۔ اور اُس میں مدینہ کے تمام علماء، فضلاء اور فقہا جمع ہوکر درس لیا کرتے تھے۔ اپنے برادر عالی مرتبت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد سے اس وقت تک مسجد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درس دیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ اور مکۂ معظمہ بلکہ تمام حجاز و یمامہ کے عمائد اور اکابر آپ کو بہت بڑی عظمت اور جلالت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ عمائد و اکابر ہی پر منحصر نہیں۔ ہر شخص ان کی تعظیم و تکریم کو شرف و افتخار سمجھتا تھا۔

بہر حال۔ اسمٰعیل ابن ابراہیم ناقل ہیں۔ کہ ایک دن میں اُن کی صحبت میں موجود تھا۔ کہ اس اثنا میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تشریف لائے۔ علی ابن جعفر علیہ السلام آپ کو دیکھتے ہی اپنے مقام سے اٹھے۔ اور دوڑ کر آپ کے دونوں ہاتھوں اور آنکھوں کے بوسے لئے۔ اور بہت بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اور ویسے ہی کھڑے کے کھڑے رہے۔ بالآخر جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے میرے باپ کے چچا آپ بہ

خدا کی رحمت نازل ہو۔ اب آپ زیادہ زحمت نہ فرمائیں۔فرش پر بیٹھ جائیں۔علی ابن جعفر علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کھڑے رہیں ۔اور میں سبقت کرکے بیٹھ جاؤں۔

غرض جب تک کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نہ بیٹھ لئے۔وہ مقدس بزرگ نہ بیٹھا تھوڑی دیر کے بعد جناب امام محمد تقی جعفر علیہ السلام دولت سرا کی طرف تشریف لے گئے۔ تو اسمٰعیل ابن ابراہیم کا بیان ہے۔ کہ علی ابن جعفر علیہ السلام اپنے مقام کو واپس آئے۔ان کے بعض احباب نے ان کے اس اعزاز و اکرام کی نسبت اعتراض کیا۔اور کہا۔کہ اس وقت تم نے اپنے چھوٹے اور صغیر السن بچے کی اتنی تعظیم و تکریم کی ۔ حالانکہ تم رشتہ اور قرابت میں ان صاحبزادے کے باپ کے چچا ہوتے ہو۔

یہ سن کر علی ابن جعفر علیہ السلام کو سخت جلال آیا۔ اور انہوں نے ان لوگوں کو ڈانٹ کر کہا۔ کیا فضول بکتے ہو۔چپ رہو۔ یہ کہہ کر اپنی سفید ڈاڑھی اپنے ہاتھ سے تھام لی۔ اور ارشاد کیا۔کہ پھر اس کو کیا کروں۔کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے اس محاسن سفید کو اس مرتبہ اور عظمت کے قابل ہی نہ سمجھا۔جس قدر اور مرتبہ کے لائق یہ جوان ہے ۔اور اس کو خدا نے ایسے مقام پر پہنچایا ہے ۔جو علم امامت کے لئے مخصوص ہے۔ پس میں اپنے خدا سے پناہ مانگتا ہوں ۔ اس امر کے لئے کہ میں اس جوان کی فضیلت کا انکار کروں۔ بلکہ میں تو اس کا غلام ہوں۔

اسی ایک واقعہ سے حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کی ذاتی و جاہت۔ فضیلت اور عظمت کے کافی ثبوت پہنچتے ہیں۔ علی ابن جعفر علیہ السلام کوئی معمولی بزرگ نہیں تھے سن و سال کے اعتبار سے سادات میں وہ سب سے زیادہ بزرگ اور کبیر السن تھے۔ اور تمامی علماء و فقہائے مدینہ کے سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز اپنے برادر معظم حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام سے بلا واسطہ حدیثیں بیان کرتے تھے۔خوش قسمت ایسے کہ اپنے پدر بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے لے کر جناب امام محمد تقی علیہ السلام تک چار اماموں کا زمانہ دیکھا ۔اور چار معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے زمانہ امامت سے تعلیم حدیث پر مامور و ماذون تھے ۔ان کی موجودہ تعلیم و تدریس کا حلقہ ایسا وسیع تھا۔ کہ ہر شخص ان کے خرمن علم

کا خوشہ چین تھا۔ اور اُن کے خوان نعمت کا ذلہ رُبا۔ جب ان کے ایسے جامع الصفات اور کامل الشرائط بزرگ کی بے مقداری اور عجز کی حالت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے کمال اور جامعیت کے مقابلہ میں یہ ہو۔ تو عام لوگوں کی بے حقیقتی اور ہیچ میرزی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

معتصم اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مخالفت

جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے مدینۂ منورہ کے ہشت سالہ قیام کا زمانہ انہیں مشاغل میں صرف فرمایا۔ اس زمانہ میں جب تک مامون زندہ رہا۔ نہ وہ آپ کے احوال سے پرساں ہوا۔ اور نہ اُس کے بعد سات برس تک معتصم نے آپ کے متعلق کوئی تلاش کی۔ مگر ہاں ام الفضل کو محبت والفت کے عوض آپ کے ساتھ ایسی ہی مخاصمت اور مخالفت ہو گئی تھی۔ جو کسی طرح آپ کا دامن نہیں چھوڑتی تھی۔ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی والدۂ مقدسہ کی جانب سے اُس کے دل میں ایسی ہی خلش اور جلن تھی۔ کہ وہ اس کی کینہ پرور طبیعت سے کسی طرح باہر نہیں نکلتی تھی۔ چنانچہ وہ مدینۂ منورہ کے قیام میں بھی اپنے اس خاص انداز کو نہ بھول سکی۔ اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لئے ہمیشہ پہلو کا خار اور باعث آزار ہنی کی بنی رہی۔ مامون کے زمانہ حیات ہی میں مدینہ منورہ سے ایک بہت بڑا طول وطویل خط آپ کی لمبی چوڑی شکایت میں لکھ بھیجا۔ مامون چونکہ ایک مرتبہ اُس کی جھوٹی تہمت اور صریح افترا کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر سخت نادم اور پشیمان ہو چکا تھا۔ اور وہ اسی وقت سے اُس کی فطرتی پرخاش سے خوب آگاہ ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے صاحبزادی کا خط پڑھتے ہی اُس کے مقصود دلی کو پورے طور سے سمجھ لیا۔ اور فوراً اس کے جواب میں تحریر کیا۔ کہ میں نے تم کو اُن کے عقد میں اس لئے نہیں دیا ہے۔ کہ تم ان پر خدا کی حلال فرمودہ چیزوں کو اور مباح نعمتوں کو حرام کردو۔

مامون کے اس جواب نے ام الفضل کا منہ توڑ دیا۔ پھر وہ جب تک زندہ رہا۔ صاحبزادی کو آئندہ کسی خلاف تحریک کی جرأت نہ ہو سکی۔ دو برس کے بعد مامون مر گیا۔ اور چھ برس تک معتصم اُس کے بعد حکومت کرتا رہا۔ اس عرصہ میں ام الفضل نے چچا کو بھی باپ کی طرح حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی نسبت انواع واقسام کی شکایتیں لکھ بھیجیں۔

پہلے تو معتصم نے ام الفضل کی تحریر و تحریک پر کوئی اعتنا نہیں کی۔ مگر جب اُس کی لگاتار اور متواتر اس مضمون کی تحریر نے اُس کو عاجز کر دیا۔ کہ اگر آپ کو میرے لکھنے پر اعتبار نہ ہو تو میرے ساتھ انہیں بھی بلوا کر ان تمام باتوں کو جو میں نے اُن کے متعلق لکھی ہیں براۂ العین مشاہدہ کر لیجئے۔ تو آخرکار معتصم نے ۲۲۹ھ ہجری میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ اور عبدالملک موجودہ حاکم مدینہ کو آپ کی روانگی کے لئے خاص طور پر تاکید کی۔ اس کے ظالمانہ اور جابرانہ اصرار نے آپ کو اور بھی مجبور کر دیا۔

عبدالملک کی اس خاص مخالفت اور مخاصمت کی وجہ۔ حکم حاکم ہونے کے علاوہ سب سے بڑی یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ اُس وقت مدینہ کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی عظمت و جلالت کے مقابلہ میں عبدالملک کی قدر و منزلت کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے اُس نے اچھی طرح یقین کر لیا تھا۔ کہ آپ کی موجودگی اور قیام کے زمانہ تک مدینہ میں تو یہ دن مجھے کبھی نصیب ہونے والے نہیں۔ انہیں وجہوں سے وہ معتصم کے حکم کے علاوہ خود بھی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا مدینہ میں رہنا کسی طرح پسند نہیں کرتا تھا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اور دربار بغداد میں داخلہ

جناب امام محمد تقی علیہ السلام ہر طرف سے مجبور ہو کر بغداد کی طرف تشریف لے گئے۔ اور جناب امام علی نقی علیہ السلام اور آن کی والدہ ماجدہ کو مدینہ منورہ میں چھوڑ گئے۔ بہرحال۔ جب آپ مدینہ سے بغداد میں پہنچے۔ تو معتصم نے آپ کے اکرام اور خاطرداری کے اہتمام میں اپنی ظاہرداری کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور اپنے اس طریقہ میں اس نے مامون کے قدیم طریقہ پر قدم بقدم چلنا مصلحت سمجھا۔

علامہ ابن ابی داؤد اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو ابھی بغداد میں تشریف لائے پورا سال بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ معتصم آپ کی ہلاکت و استیصال پر آمادہ اور مستعد ہو گیا۔ اُس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ عیاشی رحمۃ اللہ علیہ نے زرقان کے اسناد سے لکھا ہے۔ کہ ایک روز علامہ ابن داؤد معتصم کے دربار سے نہایت ملول و محزون اپنے گھر واپس آئے۔ اور بیان کرنے لگے۔ کہ آج حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے صاحبزادے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے سامنے

میں ایسا ذلیل و خوار ہوا کہ مجھے کسی کو اپنا منہ دکھلانا اب اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ واقعہ یوں گزرا کہ ایک مرد سارق کو خلیفہ کے پاس لائے۔ امیر نے حکم دیا۔ کہ اس کا ہاتھ کاٹا جاوے۔ مجھ سے استفسار کیا گیا۔ تو میں نے کہا شرع کی معمولی حدود کے مطابق کہنی کے پاس سے اس کے ہاتھ کاٹنے چاہئیں۔ یہ سن کر معتصم نے مجھ سے دلیل طلب کی۔ میں نے جو جانتا تھا۔ اُس کی خدمت میں عرض کر دیا۔ مگر اُس کی خاطر خواہ تشفی اور اطمینان نہیں ہوا۔ تو اس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مخاطب کر کے عرض کی۔ کہ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جو کچھ حاضرین نے حکم دیا ہے۔ وہ تو امیر کو معلوم ہو چکا ہے۔ پھر بار دیگر مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ معتصم نے کہا۔ کہ آپ کو غیروں کے حکم سے کیا واسطہ۔ آپ کے نزدیک جو اس کا حکم ثابت ہو۔ وہ ارشاد ہو۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے نہایت منت و آرزو سے فرمایا۔ کہ مجھ کو اس مسئلہ کے جواب سے معاف رکھا جاوے تو بہتر ہوگا۔ مگر معتصم نے کسی طرح نہ مانا۔ اور اصرار پر اصرار کیا۔ کہ آپ اس مسئلہ کے حکم سے ضرور مطلع فرمائیں۔ آخر کار حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ اس شخص کی صرف انگلیاں کاٹ ڈالی جائیں۔ اور دونوں ہاتھوں کے کف دست چھوڑ دئے جائیں۔ تاکہ وہ فرائض الٰہی کی ادا کاری سے مجبور نہ رہے۔ اور پھر اس پر اپنی طرف سے ایسی قوی اور مستحکم دلائل بیان فرمائیں کہ میں (ابو داؤد) اور میرے برابر والے تمام علما اور فضلاء، جو اُس وقت خلیفہ معتصم کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ دم بخود ہو گئے۔ اور مجھ پر تو خاص کر ایسی حیا و ندامت طاری ہوئی۔ کہ میں اس کو کسی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے اُس وقت یہ تمنّا کی۔ کہ اگر میں اس واقعہ سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔ تو بہت بہتر ہوتا۔ کہ میں آج کے دن اور آج کے دن کی ندامت کو نہ دیکھتا۔

زرقان کا بیان ہے کہ اس واقعہ سے تین روز تک ابن ابی داؤد مارے شرم و حیا کے اپنے گھر سے باہر نہ نکلا۔ جب تین دن گزر چکے۔ تو خلیفہ معتصم کے پاس خلوت میں گیا۔ اور بصد الحاح و زاری اُس سے عرض کی۔ کہ ہر حال میں خلیفہ کی خیر خواہی مجھ پر لازم اور واجب ہے اس لئے عرض کرتا ہوں۔ کہ اُس مرد سارق کے اجرائے حدود کے بارے میں قبل اس کے جو کچھ واقع ہوا۔ وہ دولت خلیفہ کے لئے ہرگز شایان اور مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ خلیفہ نے وہ مسئلہ جسے وہ خود نہ جانتا تھا۔ اُسے اپنے علما و فضلا و امراء اور وزراء سے دریافت

کیا۔ اور اُن تمام لوگوں نے بقدر دانست اپنے جواب دیا۔ پھر خلیفہ عصر نے اُس شخص سے جس کو آدھے اہل علم اپنا امام اور پیشوا جانتے ہیں۔ دریافت کیا۔ اور اس نے برخلاف علماء فتوے دیا۔ اور خلیفۂ عصر نے بھی سب عالموں کے فتوے کو ترک کرکے اُسی کے فتوے پر عمل کیا۔ اور یہ خبر تمام لوگوں کو معلوم ہوئی۔ جس کی وجہ سے اُس کے دوستوں اور شیعوں کو محبت قوی ہونے لگی۔

ابن داؤد کا فقرہ چل گیا۔ اور معتصم بھی اپنی اصلی فطرت پر آگیا۔ ابن داؤد کی خوشامدانہ تقریر سن کر اس کو بھی اپنی بادشاہی کی غیرت آہی گئی۔ وہ اپنے اس طرز عمل سے سخت نادم اور پشیمان ہوا۔ اور اُسی وقت سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مخالفت اس کے دل میں جاگزین ہوگئی۔ اور کیونکر نہ ہوتی۔ کیونکہ جس ضرورت نے معتصم کو اس وقت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ہلاکت پر یکایک آمادہ کر دیا تھا۔ وہ حقیقت میں وہی قدیم ضرورتیں تھیں۔ جنہوں نے معتصم کے آباؤ اجداد کو بھی ان حضرات معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے قتل و ہلاکت پر تیار اور مستعد کر دیا تھا۔

وہ کون وجہ تھی جو صرف یہی کہ وہ اپنے فروغ دادہ اور قبول کردہ طریقہ اور اُس کے احکام پر عام اس سے کہ وہ کیسے ہی ضعیف اور مقطوع الاسناد نہ ہوں کسی دوسرے طریقہ اور اس کے احکام کو اس پر ترجیح دینا بھی خلاف مصلحت ملکی سمجھتے تھے۔ اور مصلحت ملکی کے خلاف کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی قدیم دستور اور اصول کے مطابق معتصم نے بھی اپنے ہمعصر جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی ہلاکت اور استیصال کے سامان کئے اور آپ کے وجود ذیجود کو اپنے حفظان سلطنت کے خلاف سمجھ کر بہت جلد آپ کے معاملات کو خاتمہ تک پہنچا دینے کی بھرپور کوشش کی۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات

معتصم کی ان عملی ترکیبوں کی عموماً دو صورتیں بتلائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے۔ کہ آپ شربت سم آلود کے ذریعہ سے مسموم کئے گئے۔ دوسرے یہ کہ آپ کے کھانے میں زہر ملایا گیا۔ شربت سم آلود کے معاملہ میں ام الفضل کو اصل ذریعہ بتلایا جاتا ہے۔ اور ایک دوسری روایت سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔ کہ معتصم نے اس شربت سم آلود کے پلائے جانے کا بندوبست ام الفضل کے ذریعہ سے نہیں۔ بلکہ اپنے خاص ملازمین کی معرفت کیا تھا۔ ملا مجلسی علیہ الرحمۃ

والغفران نے ان تمام اسباب کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات کے بیان میں جمع کردیا ہے۔ اس لئے ہم انہیں کی ترتیب کو اپنے سلسلہ بیان میں بھی مندرج کرتے ہیں۔

ملائے مرحوم عیون المعجزات کے اسناد سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت امام محمد تقی علیہ السلام مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لائے۔ تو معتصم نے ام الفضل کو آپ کا پورا مخالف اور جان کا دشمن پاکر اس کو آپ کے قتل پر راضی کرلیا۔ معتصم کی تجویز و ہدایت کے مطابق ام الفضل نے ایک دن آپ کو انگور رزاقی میں زہر ہلاہل آمیز کرکے کھلا دیئے۔ اس سم قاتل کا اثر فوراً آپ کے جسم مبارک پر ظاہر ہوا۔ اور اسی کے صدمہ سے آپ کی وفات واقع ہوئی۔

دوسری روایت شربت آلود کی یوں ہے۔ کہ معتصم نے شربت حماض میں زہر قاتل آمیختہ کرکے اپنے خاص غلام اشناس نامی کی معرفت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس خادم نے خدمت میں حاضر ہوکر بیان کیا کہ معتصم نے یہ شربت بھیجا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ یہ شربت مجھے بھی کسی نے تحفہ کے طور پر بھیجا ہے۔ جس میں سے میں نے اپنی خواہش کے مطابق تو خود پی لیا۔ اور آپ کو آپ کا حصہ بھیجے دیتا ہوں۔ کہ آپ اسے برف میں ٹھنڈا کرکے پی لیں۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اچھا رکھ دو۔ میں مغرب کے وقت اسے پی لونگا۔ مگر اس خادم نے معتصم کا کچھ ایسا اصرار ظاہر کیا۔ کہ آخر کار رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہ فرماکر وہ شربت جو حقیقت میں جام ہلاکت تھا۔ اسی وقت پی لیا۔ اور اسی وقت آپ اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ اور آخر کار اسی زہر ہلاہل سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

طعام مسموم کھلائے جانے کی کیفیت یوں بیان کی جاتی ہے۔ کہ جب علامہ ابن ابی داؤد کی مخالفانہ تحریک سے معتصم آپ کے قتل پر آمادہ ہوا۔ تو اس نے اپنے وزیر کے ایک محرر کو طلب کرکے کہا۔ کہ تم حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنے گھر میں دعوت کے بہانہ سے طلب کرکے ان کو کھانے میں زہر کھلا دو۔ وہ مہمان کش بدبخت اس شقاوت پر راضی ہوگیا۔ چنانچہ اس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو دعوت کے حیلہ سے اپنے گھر بلایا۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے ہرچند عذر کیا اور کہا کہ میں تم لوگوں کی صحبت میں نہایت

کم آتا جاتا ہوں۔ مگر اُن لوگوں نے آپ کے انکار کو نہ مانا۔ اور اصرار پر اصرار کیا۔ اور عرض کی آپ ضرور تشریف لے چلیں۔ کوئی امر آپ کے مزاج کے خلاف نہیں ہو گا۔ آخر مجبور ہو کر حضرت امام تقی علیہ السلام اپنے اُس مہمان کُش میزبان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور اس بدبخت نے انواع اقسام کے کھانے آپ کے سامنے رکھ دئے۔ آپ نے جونہی ایک لقمہ اس میں سے اُٹھا کر تناول فرمایا تھا۔ کہ گلوئے مبارک سے اس کے فرو ہوتے ہی اُس زہر ہلاہل کا اثر آپ کو پورے طور سے محسوس ہونے لگا۔ آپ فوراً وہاں سے اُٹھے۔ وہ مہمان کُش میزبان آپ کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اور عرض کرنے لگا۔ کہ تھوڑا سا اور تناول فرما لیا جاوے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جو کچھ کہ تم نے اس وقت میرے ساتھ کیا ہے۔ اُس کا خلاصہ مدعا یہ تھا۔ کہ میں آج سے پھر کبھی تمہارے مکان پر نہ آسکوں۔ یہ فرما کر آپ باہر نکل آئے۔ اور دولت سرا کی طرف واپس ہوئے۔ باقی دن رات آپ نے اُس زہر قاتل کی تاثیر سے سخت بے چینی اور تکلیف میں بسر کئے۔ دوسرے دن صبح کو روح مبارک اعلےٰ علیین قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعون و سیعلم الّذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

مُلا مجلسی علیہ الرحمۃ کتاب بصائر الدرجات سے نقل کرتے ہیں۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنی مدینہ کی زراعت میں ایک مرد متدین کو اپنا شریک کر لیا تھا۔ اور بغداد کی روانگی کے وقت اپنے خانگی امور کی حفاظت اور دیکھ بھال اُسی کے متعلق کر دی تھی۔ یہ شخص بیان کرتا ہے کہ میں معمول سے ایک دن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ کے سامنے اس وقت ایک لوح رکھی ہوئی تھی۔ اور آپ اُسے پڑھ رہے تھے۔ ناگاہ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی حالت متغیر ہوئی۔ اور آپ فوراً اُٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے آپ کے اندر جاتے ہی دولت سرا سے شیون و زاری کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ باہر تشریف لائے۔ میں نے گھبرا کر آپ سے دریافت کیا۔ تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے ابھی ابھی رحلت پائی۔ میں نے عرض کی۔ کہ آپ کو اس واقعہ جانگزا کی اور پھر اتنے جلد کیسے خبر ہو گئی۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ خدائے سبحانہ تعالےٰ کی قدرت و حکمت سے ایک ایسی حالت مجھ پر طاری ہوئی۔ کہ میں نے یقین کر لیا۔ کہ میرے پدر عالیقدر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔ اور منصب امامت مجھے تفویض ہوا۔

اس کے بعد آپ بقوت اعجاز طی الارض۔ اُسی وقت مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لے گئے اور اپنے پدر بزرگوار علیہ السلام کی آخری خدمات انجام دے کر اُن کی لاش مطہر کو مقابر قریش میں ان کے جد بزرگوار حضرت امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام کے پہلو میں مدفون فرمایا۔ یہ قبہ مبارک اور یہ عتبہ مقدس آج تک اسی رعایت سے کاظمین شریفین کے معزز لقب سے تمام اسلامی دنیا میں یادگار ہے۔ جس کے متعلق شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں امام شافعی کا یہ قول لکھتے ہیں۔ کہ یہ قبۂ مطہر اور مرقد منور اجابت دعا اور انجاح مدعا کی ضرورتوں کے لئے اکسیر اعظم اور باب الحوائج عالم ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت بروایتے پانچویں ذیقعدہ سنہ ۲۲۰ہجری میں واقع ہوئی۔ اور بقولے چھٹی ذی الحجہ سنہ ۲۲۰ھ کو آپ نے رحلت فرمائی۔ علمائے اہل بیت رضوان اللہ علیہم نے آخر والی روایت پر اعتبار کیا ہے۔

بہرحال حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت کے اصل واقعہ میں تو کسی کو اختلاف نہیں فریقین آپ کا مسموم کیا جانا تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ہاں اُس کی عملی ترکیبوں میں البتہ اختلاف ہے۔ بعض شربت سم آلود کو آپ کی شہادت کا باعث بتلاتے ہیں اور بعض طعام زہر آمیز کو۔

بہرحال۔ ان مختلف تدبیروں سے جو تدبیر اور ترکیب اس وقت معتصم کی تحریک اور تجویز سے عمل میں لائی گئی۔ وہ کبھی قابل استعجاب نہیں ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں نے ان حضرات علیہم السلام کے حالات پڑھے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ ان ذوات عالیات کے ہلاک اور قتل کرنے میں انواع اقسام کی تدبیریں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ اور ان میں سے جو زیادہ قرین مصلحت اور مناسب وقت ہوتی تھی۔ وہی کی جاتی تھی۔

ایک حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ہلاک کرنے کی فکر میں ہارون نے کیسی کیسی ترکیبیں کیں۔ جو تمام دنیا کو معلوم ہے۔ ایک اُسی کے طرز عمل کے اختلاف کو دیکھ کر ہر عاقل شخص بآسانی سمجھ لے سکتا ہے۔ کہ اگر معتصم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مار ڈالنے اور شہید کرنے کی فکر میں یہ دونوں ترکیبیں عمل میں لائیں۔ تاہم کوئی تعجب کی بات نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ان میں سے صرف ایک ہی تدبیر عمل میں لائی گئی۔ تاہم کوئی حیرت کا مقام نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ ان دونوں تدبیروں سے جو تدبیر ہو وہی آپ کی شہادت کا باعث سمجھی جائے گی۔

علامہ ابن حجر بھی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔ انّہ مات مسموما کابیہ۔ آپ بھی اپنے والد بزرگوار علیہ السلام کی طرح زہر دے کر شہید کئے گئے۔ مگر افسوس ہے کہ زہر دئے جانے کی کوئی اصلی کیفیت نہیں لکھی ہے۔ ایک صواعق محرقہ پر موقوف نہیں۔ اہلسنت کی تمام تاریخ وحدیث کی کتابیں ان معاملات میں بالکل خاموش پائی جاتی ہیں۔ اور یہ تمام امور سلطنت کی سطوت اور خوف و دہشت کے اصلی باعث سمجھے جاتے ہیں۔ اور کچھ بھی نہیں۔

امّ الفضل کی آخری سرگزشت

عیون المعجزات میں مرقوم ہے۔ کہ امّ الفضل حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی بیماری میں مشغول اشکباری ہوئی۔ یہ ملاحظہ فرماکر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا۔ سخت تعجب کی بات ہے کہ تو ہی نے مجھے قتل کیا۔ اور تو ہی مجھے رونے بیٹھی ہے۔ خدا کی قسم ایک دن تو بھی ایسی بلا میں مبتلا ہوگی۔ جو کسی طرح علاج پذیر نہ ہوگی۔ اور تو ایسے دردِ لا علاج میں گرفتار ہوگی جس کے دفعیہ کی کوئی فکر نہ ہو سکے گی۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد امّ الفضل کو ناصور کا عارضہ ہوا۔ ہرچند طبیبوں نے علاج کیا۔ مفید نہ ہوا۔ آخر کار اُس زخم میں سمیّت پیدا ہوگئی۔ اور وہ اُس کی تاثیر سے مخبوط اور مجنون ہو کر باہر نکل پڑی۔ اور ایک عرصہ تک گلیوں میں ٹھیکریاں چنتی رہی۔ اور آخر کار اسی پریشانی اور ناپرسانی کی ناقابل برداشت حالتوں میں مرگئی۔ وسیعلم الّذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے محاسن اخلاق

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی قلیل حیات کے تمام واقعات یوم ولادت سے لے کر روزِ وفات تک لکھ کر اب ہم آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات کے دو چار واقعات بطور مشتے از خروارے دیکھئے از ہزارے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دائرہ میں اس وقت تک مجھ کو آٹھ بزرگواروں کے حالات تحریر کرنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ مگر ہم نہایت حسرت و افسوس سے اس امر کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ان تمام بزرگوں میں اپنی حیات کا جتنا کم زمانہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے پایا۔ اتنا اور کسی بزرگ نے نہیں۔ آپ کا انتقال عین شباب میں ہوا۔ وفات کے وقت کل پچیس برس کا سن ہونے پایا تھا۔ اسی لئے جس قدر کم حالات ہم کو آپ کے

لکھنے ہوئے ہیں۔ اتنے کسی اور بزرگ کے نہیں۔ یہ تو معلوم ہے۔ کہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کا سن بروایتے آٹھ برس اور بروایتے کل نو برس کا معلوم ہوتا ہے۔ پھر آپ اپنے پدر عالی مقدار کے بعد کل سترہ برس تک زندہ رہے جس میں آٹھ برس پورے بغداد کے اوّل قیام میں گزرے۔ اور ایک برس دوسری بار کے قیام میں صرف ہوا۔ اور شروع سے لے کر مجموع نو برس تک مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا میں قیام فرما رہے۔ اس حساب سے آپ کی امامت کا قریب قریب نصف زمانہ بغداد کے قیام میں تمام ہوا۔ اور بقیہ نصف زمانہ کے قریب مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا کی سکونت میں صرف ہوا۔

بہرحال ہم کو اس امر کے بتلانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اُسی خاندان اعلےٰ اور دودمان والا کے چشم و چراغ ہیں۔ جو اپنے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق کے اعتبار سے تمام دنیا کا ہادی اور رہنما تھا۔ اور جس نے تمام دنیا کو اپنے فیضان ہدایت و ارشاد سے حضیض جہالت سے نکال کر تہذیب و شائستگی کے عرش الکمال تک پہنچایا۔ جو اسلام کی کامیابی کا بہت بڑا قوی اور مستحکم ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ اور امت اسلامیہ کی موجودہ ناتوانی اور بے اتفاقی کے خاص زمانہ میں تو منصب امامت کی ہدایت عامہ کا خاص کر معیار قرار پایا ہے۔ جن لوگوں نے حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات پڑھے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ ایسے تاریک اور ناپرسانی کے خاص زمانہ میں ان حضرات کے کوئی آثار و اقتدار باقی نہیں رہے تھے۔ مخالف سلطنت کی طرف سے بھی ان کے تمام آثار و اقتدار کے مٹانے اور گھٹانے میں خاص طور پر کوشش کی جاتی تھی۔ پھر ایسی حالت اور کیفیت میں ہدایت عامہ کے متعلق جو محاسن آپ سے ظاہر ہوئے۔ وہ سب آپ حضرات کے محاسن ارشاد اور مکارم اشفاق و اخلاق کے قوی اور معجز نما اثر تھے۔ اور ان تمام بزرگواروں نے تمام تر اپنے اسی ایک اور تنہا اثر سے نظام امت اور ہدایت عامہ کے متعلق ایسی ایسی اعلےٰ خدمات کا اظہار کیا۔ جو اس وقت کے ملکی فرمانروا۔ امرا اور سلاطین سے کبھی نہ ظاہر ہو سکے۔ اور اپنی اسی ناپرسانی اور عدم توجہی کی خاص حالتوں میں بھی ان بزرگواروں کو جو ذاتی عظمت اور وجاہت حاصل تھی۔ وہ نہ فرمانروائے زمانہ ہی کو میسر تھی۔ اور نہ اُس کے کسی امیر یا وزیر سلطنت کو دستیاب

بہرحال حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو بھی ان حضرات کے محاسن وکمال کا نمونہ اور پوری مثال سمجھ لینا چاہیئے۔

محاسن اخلاق اور محامد اشفاق

جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے مادام الحیات کسی سے بے رخی، بے مروتی اور کج ادائی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ بخلاف اس کے جس طبقہ اور جس درجہ کے لوگ اپنی غرض۔ اپنی التجا۔ جس وقت اور جس موقع پر لے کر آئے۔ آپ نے اُسی وقت بکمال کشادہ پیشانی اور خندہ روئی اُس سے مل کر فوراً اُس کے انجاح مطالب کے خاطر خواہ سامان فراہم کر دئے۔

ہر شخص سے بہ تبسم باتیں کرنا۔ اور اُس کے قدر و مراتب کے مطابق اس کی تعظیم کرنا۔ آپ کی سیرت میں خاص طور پر داخل تھا۔ دولت سرا کا دروازہ ہدایت عامہ اور فیضان ارشاد کے لئے ہر وقت کشادہ رہتا تھا۔ زیارت کا کوئی وقت خاص نہیں تھا۔ کوئی حاجب یا کوئی دربان آستان ہدایت بنیان پر متعین نہیں تھا۔ جو طالبان حق اور خواہان کلمات مطلق کو کسی وقت تحصیل ہدایت اور تشریف سعادت سے روکتا یا منع کرتا بخلاف اس کے مستدعین ہدایت مستحقین امت کے لئے ہر وقت عام اجازت تھی۔ جو شخص جس وقت آتا تھا۔ شرف زیارت سے اسی وقت مشرف فرمایا جاتا تھا۔

مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا کے زمانہ قیام میں آپ کی نشست سب سے زیادہ مسجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوا کرتی تھی۔ اور عام طور سے مسلمین و مومنین کو وعظ وارشاد کے فیوض یہیں پہنچائے جاتے تھے۔

سادگی اور فروتنی۔ باوجودیکہ مامون عباسی کے ایسے مقتدر اور عظیم الشان خلیفہ اور سلطان کے داماد تھے۔ اور ام الفضل کی ایسی صاحب دولت اور ذی عزت شاہزادی کے شوہر۔ مگر آپ نے کبھی اپنے توصل اور پیوند پر کبھی مفاخرت نہیں ظاہر کی اور نہ کبھی اُس کو کسی عظمت یا وقعت کی نظر سے دیکھا۔ اور نہ کبھی ایسے مال یا ایسی دولت پر اپنی نظر خراب کی۔ اس سلطانی توسّل اور تقرب سے نہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مزاج میں کسی قسم کا تغیر آیا۔ نہ تبدّل۔ بلکہ بخلاف اس کے آپ کی وضع کی سادگی۔ عام طور سے ملنے جلنے کے طریقے۔ احباب واصحاب سے

محاسن سلوک کے تمام مراسم اُسی انداز پر برابر قائم رہے ہے۔ جیسے ہمیشہ چلے آتے تھے ایک شخص ناقل ہے۔ کہ مجھ کو ام الفضل کے ساتھ آپ کے عقد کئے جانے کی خبر معلوم ہوئی۔ تو میں بغرض تہنیت صبح کو خدمت والا میں حاضر ہوا۔ مجھ کو زمانہ کی موجودہ روش کے مطابق خوف تھا۔ کہ شائد آپ مجھے اپنی زیارت کا شرف نہیں بخشیں گے۔ مگر میرے خیال کے بالکل برعکس میرے حاضر ہونے کی جو ہیں خبر پہنچائی گئی۔ آپ نے فوراً مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ میں حاضر ہوا۔ اور میں نے دیر تک اس امر میں خاص طور پر تمیز کی۔ کہ آپ کی موجودہ رفتار اور مزاج میں کسی قسم کے تغیر اور تبدل کا ادراک واحساس کروں۔ مگر ہر چند میں نے غور کیا۔ اور لاکھ لاکھ تحقیق و تلاش کی۔ لیکن کچھ نہ پایا۔ اور آپ کے اخلاق عظیم اور اشفاق قدیم میں کسی قسم کا کوئی فرق اور کوئی کمی نہیں پائی۔

اس اثنا میں مجھے پیاس معلوم ہوئی۔ اور پانی کی خواہش ہوئی۔ مگر میں نے عرض مطلب کو خلاف ادب امامت سمجھ کر ضبط کر لیا۔ مگر جناب امام محمد تقی علیہ السلام میرے نفس مدعا کو بخوبی سمجھ گئے۔ اور فوراً تبسم زیر لب فرما کر ایک خادم سے پانی طلب فرمایا۔ وہ پانی لے کر حاضر ہوا۔ تو اُس سے جام آب لے کر پہلے آپ نے اس میں سے دو گھونٹ پی لئے۔ پھر مجھے عنایت فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ لو۔ اسے پی لو۔ میں نے بکمال مسرت آپ کے دست مبارک سے وہ ساغر لے کر پی لیا۔ اور پھر جب تک خدمت عالی میں بیٹھا رہا۔ آپ کے اس اعجاز اور قیافہ شناسی پر تعریف کرتا رہا۔

اس واقعہ سے ہمارے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ کہ ظاہری ثروت واقتدار پر آپ کوئی اعتنا اور اعتبار نہیں فرماتے تھے۔ اور احباب معتمدین واصحاب مخصوصین کے دائرہ میں آپ کے اخلاق واشفاق کے جو محاسن قدیم سے جاری اور قائم تھے۔ وہی برابر اس وقت تک جاری اور قائم رہے۔

عام بخشش اور کرم وجود۔ عام بخشش اور کرم وجود کے لئے آپ کا دروازہ ہمیشہ وا رہا کرتا تھا۔ اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح آپ کے دست کرم بھی کشادہ۔ آپ کی ہمت عالی بھی رفیع۔ آپ کے حوصلے بھی رفیع تھے۔ مدینہ منورہ کے تمام فقراء۔ غربا اور مساکین در دولت سے وظیفہ اور روزینہ پایا کرتے تھے۔ کوئی

مستحق ایسا نہیں ہوتا تھا۔ جو دولت سرائے امام علیہ السلام سے محروم یا ناکام واپس جاتا ہو۔ دور اور بیرونجات کے رہنے والے مستحقین تو وکلاء کے ذریعہ سے اپنے وظیفے پاتے تھے۔ اور مدینہ منورہ زاد اللہ شرفا کے خاص رہنے والے مومنین آپ کے خاص دست مبارک سے کھانے اور نقد کے اقسام پاتے تھے۔ گر وہ نہیں جانتے تھے۔ کہ آپ کا کیا نام ہے۔ اور آپ کس خاندان کے چشم و چراغ اور کس دودمان کے سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز ہیں۔ ہاں آپ کی وفات کے بعد اُن کو معلوم ہوسکا۔ کہ آپ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے فرزند دلبند ہیں۔

اقربا کے ساتھ سلوک

باوجودیکہ آپ کے بنی اعمام نے آپ کی طفولیت کے زمانہ ہی سے آپ کے ساتھ انواع اقسام کی مخالفتوں کا اظہار کیا۔ مگر آپ نے اُن کے تمام ابواب اسی طرح قائم رکھے۔ جو ہمیشہ سے ان لوگوں کو ملا کرتے تھے۔ اور وہ سارے وظائف جو اُن کے گزاروں میں ملا کرتے تھے۔ برابر پہنچاتے رہے۔ اگرچہ یہ حضرات آپ کے ساتھ اتحاد واخلاص کے مراسم اور عقیدت وارادت کے مسالک کو قائم رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ بخلاف ان کے طرز عمل کے ان کے ساتھ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ہمیشہ یہی محاسن سلوک جاری اور قائم رکھے۔

یہ تو مدینہ کے خاص باشندوں کے ساتھ آپ کے اخلاق و اشفاق کے عام برتاؤ تھے۔ قیام بغداد کے زمانہ میں عراق اور فارس کے تمام لوگوں کے ساتھ بھی آپ کے ملنے جلنے کی یہی کیفیت تھی۔ جس سے آپ کے حسن اخلاق کے تمام جوہر بخوبی ثابت ہوجاتے ہیں

طعام کی سادگی

لباس اور طعام آپ کا عموماً سادہ ہوا کرتا تھا۔ اور اس میں ظاہری زیب وزینت سے کوئی علاقہ نہیں رہتا تھا۔ جو کی روٹیاں۔ سرکہ۔ شہد خالص عموماً آپ کی خوراک تھی۔ ہاں جب کسی احباب کی مہمانی اور ضیافت کا سامان کیا جاتا تھا۔ تو اس وقت آپ کا دسترخوان انواع اقسام کے طعام اور لذیذ میوؤں سے آراستہ کیا جاتا تھا۔

غربا سے زیادہ ملتے تھے۔ قیام بغداد کے زمانہ میں آپ کی صحبت میں امراء اور

اراکین سلطنت سے زیادہ غربا اور اہل حاجت حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور حقیقت میں آپ کو امرا اور دولت مند لوگوں کی مجالست اور مکالمت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ بخلاف اس کے غربا اور ایسے لوگوں سے زیادہ تر ملنا پسند فرماتے تھے۔ جو علوم دارشاد کے شائق ہوتے تھے۔ اور تحصیل علوم یا تحقیق مسائل کی غرض سے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

قیام بغداد کے ایام میں بھی آپ نے محلات شاہی میں سکونت نہیں اختیار فرمائی۔ اگرچہ ام الفضل کی طرف سے یک جائی مسئلہ پر خاص طور سے زور دیا گیا۔ اور اصرار پر اصرار ہوتا رہا۔ مگر آپ نے کسی طرح اس کو قبول نہ فرمایا۔ اور محلات شاہی کے عوض میں ایک معمولی سا مکان لے رکھا تھا۔ اور اسی میں ابتدا سے انتہا تک سکونت اختیار فرمائی۔ یہیں سے جب طبع عالی میں آتا تھا۔ محل شاہی میں ام الفضل کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ مگر جب اس کی مخالفت مدینہ منورہ سے یہاں آکر اور بڑھتی ہوئی مشاہدہ فرمائی۔ تو آپ نے ام الفضل کے پاس اپنی آمد و رفت اور بھی کم کر دی۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد ان محترمہ سے عقد پڑھا لیا۔ جو حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھیں یہ امر ام الفضل کی سخت کشیدگی اور کدورت کا باعث ہوا۔ اور اس اثنا میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ام الفضل کے پاس اپنی آمد و رفت قطعی موقوف کر دی۔ جب آپ کی بے التفاتی اور عدم توجہی کو زیادہ عرصہ گزر گیا۔ تو ایک دن معتصم کی بی بی کی بڑی منت و سماجت پر آپ ایک بار محل سلطانی میں تشریف لے گئے تھے۔ یہاں آپ کے لئے خلوت کا سامان کر دیا گیا تھا۔ مگر اس یک جہتی کا بھی نتیجہ سوائے بے لطفی کے کچھ اور نہ نکلا۔ کیونکہ معتصم کی بی بی جو قریب ہی موجود تھی۔ بیان کرتی ہے۔ کہ اس خلوت کے مغتنم زمانے میں بھی ام الفضل نے اپنی کج عقلی کی وجہ سے آپ کے ساتھ ایک بات بھی سیدھے طور پر نہیں کی۔ طعن پر طعن۔ تعریض پر تعریض کرتی رہی۔ آپ سنتے سنتے عاجز ہو گئے۔ اور وہ آپ کے تکدر خاطر کا بہت بڑا باعث ہوا۔ آخر کار آپ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھ آئے۔ کہ تیرا معاملہ بالکل صواحب یوسف علے نبینا و آلہ و علیہ السلام کی مثال ہے۔ جن کی تقدیر میں سوائے محرومی اور ناکامیابی کے کچھ اور نہیں ہے۔

اس واقعہ سے جو معاملات آپ کے اور ام الفضل کے درمیان پیش تھے۔ وہ بخوبی معلوم ہوگئے پھر ان کے مقابلہ میں آپ اُس کی ایک جائی اور یک جہتی کو پسند فرماتے تو کیونکہ۔ انہیں امور کی وجہ سے آپ جناب امام علی نقی علیہ السلام کی والدہ گرامی قدر کو ام الفضل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور یہی امر فطرتاً ام الفضل پر زیادہ شاق گزرتا تھا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ابتدا میں یہ کوشش ضرور فرمائی تھی۔ کہ ام الفضل اور ان خاتون مقدسہ کے درمیان اتفاق و اتحاد قائم کر دیا جائے۔ ایک دوسری کی مخالفت نہ رہے۔ اس لئے آپ نے ایک بار ان کو ام الفضل کے پاس خاص طور پر ملنے کے لئے بھیج دیا۔ مگر ام الفضل کی شریر اور مفسد طبیعت میں اتنی صلاحیت کہاں جو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے اس آئین معاشرت کی قدر کرتی۔ یا اس کے قلب پر اس خاتون معظمہ کے تشریف لانے سے کوئی اثر پڑتا۔ بلکہ اس کے خلاف اس تدبیر سے اُس کے دل میں مخالفت کی آگ ایسی بھڑکی۔ کہ وہ اس معظمہ کی تکلیف دہی یا آزار رسانی کی ترکیب تو پیچھے کرے گی۔ سب سے پہلے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے قتل پر اپنے باپ مامون کو آمادہ کرنے لگی۔ جیسا کہ اوپر پوری تفصیل کے ساتھ لکھا گیا۔

اگر آپ کی معاشرت کے حالات پر پورے طور سے غور کیا جاوے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ام الفضل نے کسی مقام اور کسی ایام میں آپ کو آرام سے رہنے نہ دیا۔ نہ آپ اطمینان سے بغداد ہی میں رہے۔ اور نہ مدینہ منورہ میں۔ جہاں تک آپ تشریف فرما رہے۔ یہ آپ کے پہلو کا خار بنی رہی۔ اور ہمیشہ ایک نہ ایک مخالفانہ تحریک پیش کرتی رہی جیسا کہ اوپر کے واقعات سے مفصل طور پر ظاہر ہوا۔

لباس اور طعام کی سادگی

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی بالکل اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح قلیل الطعام اور قلیل النوم تھے۔ دن بھر اکثر روزے رکھا کرتے تھے۔ اور راتوں کو عبادت اور شب بیداری میں بسر فرماتے تھے۔ لباس آپ کا بالکل موٹا اور سادہ ہوا کرتا تھا۔ اور کبھی ایک پیراہن متواتر آپ کے جسم مبارک پر نہیں دیکھا گیا۔ کیونکہ غربا اور مستحقین کو لباس ہائے مبارک کا اکثر خلعت ہوا کرتا تھا۔

ارشاد و ہدایت

آپ کے ارشاد و ہدایت کی توضیح وتشریح کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کہ فرقہ واقفیہ کے لوگ جو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے زمانہ سے ظاہر ہوکر انواع اقسام کی بدعات اور فسادات کا باعث ہورہے تھے۔ آپ ہی کے وعظ ونصائح سے تائب ہوکر۔ پھر اپنے قدیم عقائد پر راسخ ہوگئے۔ اور اپنی تمام غلط خیالی اور کوتہ اندیشی سے دست بردار ہوکر۔ آخر میں انہوں نے اپنی تمام ضلالت اور جہالت کی دلائل کو آپ کی کم سنی اور طفولیت پر منحصر اور موقوف کررکھا تھا۔ اور اپنے مفسدانہ اور مخالفانہ خیالوں کی تحریک سے یہ سوچ رکھا تھا۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام صغر السنی کی ایسی حالت میں۔ کبھی منصب امامت کے شایان اور سزاوار نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ اپنے اسی قیاسی اور ظنی دلائل پر قائم رہ کر وہ نہایت دلیری سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ سے انواع اقسام کے صدہا مسائل بیک وقت اور بیک جا استفسار کئے۔ اور آپ نے اُسی وقت اُن تمام سوالوں کے جواب ایسے خاطر خواہ اُن کو دئے۔ کہ پھر وہ بار دیگر عرض ومعروض کی کبھی جرأت نہ کرسکے۔ اور ہر طرح سے آپ کی حقانی قابلیت اور روحانی جامعیت کے قائل ہوکر اپنے ارتداد سے تائب ہوتے گئے۔ پھر تو تھوڑے ہی دن میں اس فرقہ کا کہیں نام بھی باقی نہیں رہا۔ اور جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی کی حیات ہی میں کوئی شخص ان عقائد اور مسالک پر قائم نہیں دکھلائی دیتا تھا۔

فرقہ واقفیہ کے واقعات سے ہم کو آپ کے ارشاد کامل کے کامل ثبوت ملتے ہیں اور یہ امر بھی تحقیق ہوجاتا ہے۔ کہ اس فرقہ کے استیصال کامل کا باعث آپ ہی کے مواعظ حسنہ تھے۔ اور یہ وہ فرائض تھے۔ جو آپ کے منصب امامت سے خاص طور پر تعلق رکھتے تھے۔ جن کی انجام دہی اور ادا کاری منجانب اللہ آپ کے محاسن خدمات میں داخل تھی۔

جامعیت اور استعداد۔ ہم کو اس بحث کے متعلق زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں قاضی یحییٰ ابن اکثم اور آپ کے ساتھ مناظرہ اور کلام کی پوری کیفیت ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ جو یہاں بھی ہمارے مدعائے تالیف کا پورے طور سے اظہار کرتی ہے

ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ آپ حضرات کی فضیلت اور محاسن کمال کو سن وسال سے کوئی واسطہ اور کوئی تعلق نہیں تھا۔ مبدءِ فیض سے عین کم سنی ہی میں آپ کو جامعیّت اور کمال کے وہ درجے عنائیت فرمائے گئے تھے۔ جو انسان کے معمولی طبقہ میں کسی عمر۔ یا کسی سن وسال والے کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور یہ روحانی اور وہبی تعلیمات کے اثر تھے۔ نہ انسانی اور کسبی تحصیل کے افادے۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ذات مجمع الحسنات میں ارشاد و ہدایات کے جتنے محاسن اور واقعات پائے جاتے ہیں۔ وہ آپ کے عدیم المثال کمال۔ اور نادر الوجود قابلیّت اور استعداد کو کافی طور سے ثابت کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا اور بغداد کے قیام کے زمانہ میں بڑے بڑے علماء فقہاء اور محدثین۔ آپ کی صحبت با برکت میں خوشہ چین رہا کرتے تھے۔ اور آپ کی خدمت فیض موہبت سے مختلف علوم کی تحصیل کا شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حج کے ایام میں قاضی یحییٰ ابن اکثم کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اور عین اُس وقت۔ جب آپ اپنے حلقۂ وعظ میں کثرت اہل اسلام کو مسائل شرعیہ اور احکام دینیہ تعلیم وتلقین فرما رہے تھے۔ یحییٰ کا بیان ہے۔ کہ آپ اپنے سلسلۂ بیان میں ایسے ایسے نکات عالیہ اور مطالب اعلیہ۔ اپنے حسن فصاحت اور معجز بیانی سے ارشاد فرماتے تھے۔ کہ اس سے قبل میں نے آج تک ایسی جامع و مانع تقریر کبھی دیکھی تھی۔ اور نہ کبھی سنی تھی۔ مجھ پر آپ کے کلام معجز نظام کی کچھ ایسی تاثیر پیدا ہوئی۔ کہ جب تک آپ نے اپنے بیان کو خاتمہ تک نہ پہنچا لیا۔ میں اُس مقام سے نہ ہٹا۔ اور اپنی جگہ سے ایک دم کے لئے بھی نہ سرکا۔

قاضی یحییٰ ابن اکثم سے کون شخص واقف نہیں ہے۔ ان کی بہت بڑی معرفت کے لئے یہی کافی ہے۔ جیسا کہ سواد اعظم میں مشہور کر دیا گیا ہے۔ کہ یہ قاضی صاحب ہی کے مناظرے اور کلام کی قوت تھی۔ جس نے مامون کو ایک مدت کے بعد۔ مسلک حنفیہ کے مطابق حرمت متعہ کا قائل کر دیا۔ وہذا بہتان عظیم۔

بہر حال۔ قاضی صاحب کے ایسا امام المناظرہ۔ اور علم کلام کا مشتاق۔ جو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے طریقہ کا ضرور مخالف تھا۔ اور پھر بہت بڑا مخالف۔ آپ کے

ارشاد و کلام کی اتنی تعریف کرے۔ اور آپ کے حسن بیان پر ایسا محو ہو جاوے۔ کہ جب تک آپ کا کلام تمام نہ ہو لے۔ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اور نقش بدیوار بنا ہوا کھڑا ہوا سنا کرے۔ اور ہوں سے چوں نہ کرے۔

قاضی صاحب کی ان تعریفوں پر مجھے کوئی مسرت نہیں ہوئی۔ مگر ہاں ان کے خاموش اور ساکت رہنے پر اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور یہ یقین ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے وہ مضامین اور مطالب جو اس وقت آپ اپنے سلسلۂ کلام میں بیان فرما رہے تھے۔ تمام دلائل اور قرائن سے۔ قاضی صاحب کے نزدیک ایسے ہی آراستہ اور پیراستہ ہو رہے تھے۔ کہ قاضی صاحب کو ان میں سے کسی ایک کی نسبت بھی سوائے سکوت تسلیمی اور خموشی اقراری کے کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑا۔ ورنہ قاضی صاحب کی ذاتی مخالفت سے ہمیں امید نہیں تھی۔ کہ وہ اپنے ایسے مخالف کے اتنے طول و طویل استدلال کو۔ جو مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع عام میں۔ بیت الحرام کے متبرک اور مقدس مقام میں بیان کیا جاتا ہو۔ سننے اور پورا سننے اور اس میں کچھ اور نہیں تو صرف اپنی قابلیت کے اظہار ہی کی تنہا غرض سے کوئی تعریض نہ کرے۔

مگر قاضی صاحب حقیقتاً مجبور تھے۔ اور بالکل مجبور۔ کیونکہ۔ یہ کسی معمولی اور عام شخص کا کلام نہیں تھا۔ یہ معصوم کی تقریر تھی۔ اور یہ امام کا کلام تھا۔ جو سراپا نقائص سے محفوظ۔ تمام معائب سے پاک و صاف۔ پھر ایسے کامل اور معصوم الخطا بزرگوار کے ارشاد میں قاضی صاحب کی ہستی کیا۔ کہ کوئی تعریض پیش کر سکیں۔ اس کے علاوہ قاضی صاحب کی ہمہ دانی۔ جامعیت اور قابلیت کا امتحان تو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے عقد والے جلسہ میں ہو ہی چکا تھا۔ اب ہمارے قاضی صاحب ایسے کیا حیادار تھے۔ کہ بار بار اپنی صلاحیت طبعی اور قابلیت علمی کو بار دیگر لشپت از بام کرتے۔

بہر حال۔ اسی سے۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی عدیم المثال جامعیت کے کافی ثبوت ملتے ہیں۔ اور الفضل ما شہدت بہ الاعداد کی پوری تصدیق کرتے ہیں۔

اپنے سلسلۂ کلام اور ترتیب مضامین کے ضروری التزام کی وجہ سے ہم اس مقام پر جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے وہ اقوال اور ارشاد قلمبند کرنا مناسب سمجھتے تھے۔

جو آپ نے لیلۃ القدر کی تفسیر میں ارشاد فرمائے ہیں۔ اور جس کو کتاب صافی کے ۱۵۰ صفحوں میں مندرج کیا گیا ہے۔ مگر ہم اتنی طوالت کو اپنی ضرورت کے لئے کسی طرح مفید نہیں سمجھتے۔ اس لئے ذیل میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے صرف اس خطبہ کو کتاب کافی سے نقل کرتے ہیں۔ جو آپ نے وجود ذات ربانی اور اثبات صفات یزدانی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وجود باری تعالےٰ اور اسمہ کے متعلق خطبہ

فسئل لہ علیہ السلام رجل فقال اخبرنی عن الرّب تبارک وتعالیٰ لہ الاسماء وصفات فی کتابہ والاسماء والصفات ھی ھو فقال ابو جعفر علیہ السّلام انّ ھذا الکلام وجھین ان کنت تقول ھی ھو ای انہ ذوعدد وکثیرۃ فتعالی اللہ عن ذالک وان کنت تقول لم تزل تصویرھا وھجاءھا وتقطیع حروفھا فمعاذ اللہ ان یکون معہ شئ غیرہ بل کان اللہ عزّ وجلّ ولا خلق ثم خلقھا وسیلۃ بینہ وبین خلقہ یتصرّعون بھا الیہ ذیعبل ونہ ھی ذکرہ وکان اللہ ولا ذکر والا مذکور باالذکی وھو اللہ القدیم الذی لم یزل والاسماء والصّفات مخلوقات والمعانی والمعنی بھا ھو اللہ الّذی لا یلیق بہ الاختلاف ولا یتلاف وانّما یختلف ویاتلف والمتجزی واللہ فلا یقال مختلف ولا موتلف ولا اللہ قلیلا ولا کثیر ولکنّہ القدیم فی ذاتہ لانّ ما سوی الواحد متجزی واللہ واحد لا متجزی ولا متوھم بالقلّۃ والکثرۃ فھو مخلوق دال علی خالق لہ فقولک انّ اللہ قدیر خبرت انّہ لا یعجزہ شی فنفیت بالکلمۃ العجز وجعلت العجز سواہ وکذالک قولک عالم انّما نفیت بالکلمۃ الجھل وجعلت الجھل سواہ وقال لہ الرّجل فکیف سمّینا ربّنا سمیعا فقال انّہ لا یخفی علیہ ما یدرک بالاسماء ولم یصف بالسّمع المعقول فی الرّاس وکذالک سمّیناہ لطیفاً بعلمہ بالشئ اللّطیف مثل البعوضۃ واخفی من ذالک وموضع النشوۃ منھا والعقل والشھوۃ للفسادو والحدب علی نسلھا واقام بعضھا علی بعض ونقلھا الطعام

والشرب الاولادهافی الجبال والمناوذوالاودیة والقفار فعلمنا ان خالقها لطیف بلاکیف وانما الکیفیة للمخلوق والکیف فربنا تبارک وتعالیٰ لا شبه له ولا ضد ولا ند ولا کیف ولا نهایة ولاتبصار ببصر ومحرام علی القلوب ان تمثله وعلی الا وهام ان تحده ولا علی الضمائر ان تکونه جل وعز عن ذات خلقه وسمات بریته وتعالیٰ عن ذالک علوا کبیرا۔ کافی جز ودوم مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۴۰۔

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا۔ کہ آپ خدائے تبارک وتعالےٰ کی حقیقت سے مطلع فرمائیں۔ اس کے اسماؤ صفات جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ وہ بذات خود خدا ہیں۔ آپ نے اُس کا یہ سوال سُنکر جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ تیرا یہ گمان محض غلط ہے۔ کیونکہ اسماء وصفت اگر عین ذات خیال کئے جائیں۔ تو باعتبار تعداد کے اسماؤ صفات اُس کی خاص ذات قرار پا جائیں گے۔ اور کثرت اعداد سے اُس کی ذات پاک ومنزہ ہے۔ اور اگر تیری یہ مراد ہے۔ کہ یہ اسماؤ صفات بطور مجاز اُس کی عین ذات سمجھے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ اسماء وصفات اُس کی ذات کے ساتھ ساتھ ہمیشہ سے پائے جاتے ہیں۔ تو اس میں بھی دو باتوں کا احتمال ضرور ہے۔ اوّل تو یہ کہ اسماء وصفات ذات باری تعالےٰ شانہ کے ساتھ ہیں۔ اور اس کا اُس کو پورا علم ہے۔ اور اُس کو اس کی ہمیشہ سے خبر ہے۔ کہ اگر اس کے لئے یہ اسماؤ صفات قرار دئے جائیں گے۔ تو اس کے بندے اس کو انہیں اسماؤ صفات سے یاد کیا کریں گے۔ اور اُس کی حمد وثنا کریں گے۔ اور اگر تیرے دل میں یہی رائے قائم ہو چکی ہے۔ تو بیشک تیری رائے صحیح ہے۔ اور درست۔ اور اگر دوسری صورت ہے۔ تو اسماؤ صفات کو دو جداگانہ شے تصوّر کرتا ہے۔ اس طرح پر جس طرح کہ دو حرف مختلف جن کی صورت ہجی اور تقطیع علیحدہ علیحدہ کی جاوے۔ میں تو اس تیری تجویز کے لئے خدائے تعالےٰ سے پناہ مانگتا ہوں کیونکہ خدائے تعالےٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ اور تیری یہ تجویز ضلالت اور ہلاکت کا باعث ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالےٰ ہمیشہ سے ہے۔ نہ وہ کسی خلقت سے ہے۔ اور نہ کسی مخلوق سے۔ اُس نے اپنے بندوں کے قلوب اور اذہان

میں اپنے اسماء و صفات کو اس لئے پیدا کیا۔ کہ وہ اُن کے ساتھ بصد الحاح وزاری خدا کی عبادت گزاری کریں۔ اور اُسی سے اپنی حاجتیں طلب کریں۔ اس وجہ سے یہ اسماؤ صفات خدا کی خاص یاد ہیں۔ جن سے وہ خدا کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ اور وہ خدائے تعالےٰ جمیع مخلوق کی آفرینش اور ذکر سے بھی قدیم ہے۔ اور جو شئے کہ ان اسمائِ صفات سے یاد کی جاتی ہے۔ وہ ذات باری تعالےٰ شانہ ہے۔ کیونکہ وہ قدیم ہے۔ اور کبھی زائل ہونے والا نہیں ہے۔ اسماؤ صفات الٰہی اس وجہ سے حادث بالتدبیر ہیں۔ ان معنوں میں کہ وہ عقول انسانی اور اذہان و دیگر اعضائے جسمانی۔ حافظہ۔ ذہن۔ اور شعور وغیرہ کے ذریعہ سے حادث ہوتے ہیں۔ اور ان اسماؤ صفات سے خاص وہی مقصود نہیں ہے۔ بلکہ خداوند تعالےٰ کی ایسی ذات ہے۔ کہ نہ اُس میں تغیر اور اختلاف ہوسکتا ہے۔ اور نہ زوال و اضمحلال۔ نہ اُس کی ذات پر کمی اور بیشی صادق آسکتی ہے۔ میرے اس کہنے کے مقابلہ میں۔ کہ خداوند تعالےٰ من جمیع الوجوہات واحد ہے۔ تیرا یہ کہنا۔ کہ اللہ تعالےٰ قدیر ہے۔ اس سے دلیل مبالغہ کی خبر پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو کسی چیز کا صلا عاجز نہیں کرتا ہے۔ پس اس صورت میں تو نے اصل عجز ہی سے انکار کردیا۔ اور عجز کو اس کے غیر کے لئے جائز رکھا۔ اور اگر عجز بھی قائم کیا جاتا۔ تو وہ بھی اختلاف و ائتلاف ذات کا باعث ہوتا۔ اور تیرا ایسا ہی کہنا۔ کہ خدوند عالم عالِم ہے۔ دلالت کرتا ہے۔ کہ غیر اس کا جاہل ہے۔ مگر ان اقسام کی دلائل سے عجز یا جہل کی نفی نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس دلیل سے اسباب و آلات قائم ہوتے ہیں اور اُس کا قادر و عالم ہونا ان اسباب و آلات پر موقوف ہوجاتا ہے۔ جو صورت ذہنی یا انتشار معلومات کے اثبات سے تعلق رکھتا ہے۔ تب تو وہ عالم ہوگا۔ کیونکہ وہ مستلزم اختلاف و ائتلاف کا ہوگا۔ اور یہ محال ہے۔ اگر ثبوت معدومات علم الٰہی کے لئے شرط ہو۔ اور اُس کا علم بھی جُدا شوندہ دوسروں کی طرح ہوجائے گا۔ پس اس میں اختلاف بھی ہوگا۔ اور ائتلاف بھی۔ اور پھر اُس میں کثرت بھی ہوگی۔ اور قلّت بھی۔

ملا خلیل قزوینی نور اللہ مرقدہ اپنی شرح کتاب الصافی میں اثنا تحریر فرماکر یوں

شرح فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ خدائے سبحانہ تعالےٰ جس وقت کسی شئے کو فنا کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کے دل سے اپنے اسمائ و صفات کی یاد۔ اُن کا ذکر۔ اُن کا شمار۔ غرضکہ ان کے متعلق تمام حدوث ذہنی کو فانی کر دیتا ہے۔ اور وہ دانائے قدیم ہے۔ پھر اُس سائل نے سوال کیا۔ کہ جب اختلاف و ائتلاف ممکن نہیں ہے۔ تب تم خدا کو سمیع کیوں کہتے ہو۔ جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ہم اس لئے حق سبحانہ تعالےٰ کو سمیع کہتے ہیں۔ کہ وہ ایسا سمیع ہے۔ جو بغیر کسی آلۂ سماعت کے سماعت کرتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ اُس کو آلۂ سماعت کے ذریعہ سے سننے کا بھی کافی علم موجود ہے۔ مگر ہم اس کے اوصاف سماعت کو آلۂ سماعت کا محتاج نہیں کہ سکتے۔ کیونکہ یہ اوصاف تو معمولی طور پر ہر آدمی کے پاس موجود ہیں۔ اس لئے ہم اُس کو **بینا** (دیکھنے والا) بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ جو چیزیں کہ آدمی آلۂ بصارت کے ذریعہ سے دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ بھی اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتیں۔ مثلاً تمیز رنگ۔ تشخیص اجسام وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم اُس کی بصارت کو حرکت نگاہ وغیرہ کا محتاج نہیں کہہ سکتے۔ اس وجہ سے ہم اس کو **لطیف** کہتے ہیں۔ اُس کی باریک صنعت اور لطیف قدرت کے باعث سے جیسا کہ مچھر میں سونگھنے کی قوت کا موجود کرنا اور اپنے نفع و ضرر کی تمام صورتوں کا پورے طور سے احساس کرنا۔ اور اپنے اُس نیش کے استعمال کرنے کے موقع اور اجازت کو جاننا۔ اپنی مادہ سے لطف صحبت اُٹھانا اور برابر اپنے بچوں پر پیار اور مہربانی کرنا۔ اور اسی طرح دیگر اعضا کی قوتوں کو عمل میں لانا۔ اور اپنے بچوں کے لئے خوراک مہیا کرنا۔ اور اُن کو ایک جگہ سے لے جا کر دوسری جگہ پہنچانا۔ کہ اکثر ان میں سے پہاڑوں میں جنگلوں میں اور گھروں میں رہتے ہیں۔ جہاں نہ اُن میں گھاس ملتی ہے نہ پانی۔ مچھر کی خلقت سے ہم نے کامل طور پر یقین کر لیا۔ کہ مچھر کا پیدا کرنے والا بہت بڑا باریک صناع ہے۔ اور اس میں صناع کی کوئی کیفیت ایسی نہیں پائی جاتی جو عموماً صاحبان صنعت میں عام طور سے پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ کیفیت

اور حالت کو مخلوق سے تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے پروردگار جل شانہ کو قوی کہتے ہیں۔ جو ضعف کا ضد ہے۔ اور وہ اپنے دشمن پر غالب آنے میں حادی ہے۔ مگر ان محنتوں میں جیسا کہ معمولی اور متعارف محنتوں میں مشہور ہے کہ وہ اپنی طاقت اور زور کے باعث سے اپنے مخالف پر غالب اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا کہنے سے اس کی مشابہت مخلوق کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ جن میں اعضاء اور کیفیت بھی موجود ہے۔ اور خداوند تبارک وتعالے میں ہر وقت افزائش کی قوت موجود ہے۔ اور وہ محادث نہیں ہے۔ کیونکہ محدث میں نقصان اور کم ہونے کا احتمال ہے۔ اور جو نقصان ہونے والا ہے۔ وہ ہرگز قدیم نہیں ہو سکتا۔ اور جو چیز کہ قدیم نہیں وہ عاجز ہے۔ اور جو عاجز ہے جو خالق نہیں ہے۔ بلکہ مخلوق۔ ہمارے خدائے عزّوجل کی ذات ایسی نہیں۔ جس پر اسم جامد مطلق کا اطلاق صحیح ہو سکے۔ اُس کا کوئی شریک اور ہم چشم نہیں ہے۔ نہ کوئی اس کے مثل ہے۔ اور نہ اس میں کوئی کیفیت ہے۔ اور نہ کوئی اس کی انتہا ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ باقی ہے۔ اور اُس کی قدرت کے کمالات بے انتہا ہیں۔ اور وہ بصیرت کا محتاج نہیں۔ اور کسی دل میں اُس کے تصوروں میں اُس کے لئے کوئی صورت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اُس کی نسبت کسی قسم کا کوئی وہم پیدا کر سکتے ہیں اس لئے کہ اُس کی ذات کا احساس یا ادراک کر سکیں۔ وہ ان تمام امور سے اعلےٰ تر ہے۔ اور اپنی پیدا کی ہوئی اشیا کی طرح مثل اعضا اور دست وبازو رکھنے کا محتاج نہیں ہے۔ اور اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کی طرح وہ مکان۔ رنگ اور بو وغیرہ کی بھی کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ تمام اعلےٰ اور بزرگ اشیاء سے اعلےٰ تر اور بزرگ تر ثابت ہوا ہے۔

جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے اسی ایک خطبہ سے آپ کی معرفت الٰہی اور کمال لاانتہا ہی کے پورے اندازے ہو سکتے ہیں۔ اور اُس کے بلیغ اور پر معنی مضامین سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

خدائے تبارک و تعالےٰ کی ذات اور اس کے مبارک اور مقدس اسماؤ صفات کی حقیقت کو کہاں تک سمجھے تھے۔ اور ان علوم مخصوصہ پر آپ کو کیسا کامل ادراک حاصل تھا۔ جو سوائے مخصوصان الٰہی اور برگزیدگان خدا کے۔ اور کسی فرد بشر کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کے اقوال ہدایت اشتمال پر غور کی نظر ڈالی جائے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ خدائے وحدہ لاشریک کی وحدانیت اور اس کے لاشریک ہونے کی حقیقت جن دلائل اور براہین کے ساتھ حضرت ابراہیم علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام۔ حضرت موسےٰ اور جناب عیسےٰ مریم علیہما السلام اور ہمارے ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہزاروں برس پہلے بتلائے ہیں۔ انہیں مضامین اور اثبات کے ساتھ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے بھی اُس کی ذات۔ اسماؤ صفات کو بتلایا اور ثابت فرمایا ہے۔ اللھم صلّ علیٰ محمّد و اٰل محمّد

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی کرامت

علی ابن خالد ناقل ہیں۔ کہ میں نے ایک مرتبہ عراق (سامرہ) میں ایک شخص کی نسبت سُنا۔ کہ وہ نبوت کا دعوے کرتا ہے۔ یہ واقعہ سن کر مجھے بہت بڑی حیرت ہوئی۔ اور اس سے ملنے کا شوق ہوا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ تو خلیفہ کے حکم سے قید ہے۔ میں کچھ ایسا شائق ہو رہا تھا۔ کہ اس کے شوق ملاقات میں قید خانہ کے پاس پہنچا۔ اور زندان بان کو کچھ دے دلا کر اُس شخص سے ملا۔ اور اس سے حقیقت احوال دریافت کی۔ تو اس نے بیان کیا۔ کہ میں ملک شام کا باشندہ ہوں۔ اور میں نے اپنی تمام عمر عبادت الٰہی میں بسر کی ہے۔ میں ایک رات کو اُس مقام مقدس میں مصروف عبادت تھا۔ جہاں جناب شہید کربلا خامس آل عبا ارواحنا لہ الفدا کا سر مبارک نصب کیا گیا تھا۔ کہ اُسی اثنا میں میرے سامنے ایک شخص آیا۔ اور مجھ سے کہا کہ اُٹھ چل۔ یہ سُنکر میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو دیکھا۔ تو مسجد کوفہ میں موجود تھا اُس شخص نے مجھ سے پوچھا۔ کہ تم اس وقت کہاں ہو۔ میں نے کہا مسجد کوفہ میں

پھر وہ بزرگ نماز میں مصروف ہوئے۔ اور میں نے بھی ان کی اقتدا کی جب وہ نماز سے فارغ ہوئے۔ مسجد سے باہر نکلے۔ میں بھی ان کے ہمراہ ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے آپ کو روضۂ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا۔ وہ بزرگوار خود بھی نماز میں مصروف ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ عبادت کرنے لگا۔ نماز کے بعد وہ بدستور سابق مسجد سے باہر تشریف لائے۔ اور میں بھی پیچھے پیچھے چلا۔ چند قدم چلا تھا۔ کہ مکہ معظمہ زاد اللہ شرفا میں آموجود ہوا۔ حرم محترم کے طواف وغیرہ سے فارغ ہو کر جب ہم باہر آئے۔ تو وہ مرد مقدس یکایک میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ اور پھر میں نے اپنے آپ کو اُسی مقام پر پایا۔ جہاں میں ملک شام میں اپنے مقام پر عبادت کرتا تھا۔

میں ہمیشہ اس واقعہ پر تعجب کیا کرتا تھا۔ کہ سال بھر کے بعد اُسی دن اور اُسی تاریخ پھر وہی مقدس بزرگوار تشریف لائے۔ اور مجھ کو اپنے ہمراہ لے کر جن جن عبادت گاہوں میں کہ پہلے تشریف لے گئے تھے۔ اب کی بار پھر وہیں رونق افروز اور سعادت اندوز ہوئے۔ جب تمام عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہو چکے۔ اور وہ رخصت ہونے لگے۔ تو میں نے نہایت منت وسماجت سے اُن کا اسم گرامی پوچھا۔ تو ارشاد فرمایا۔ کہ مجھے محمد ابن علی (علیہما السلام) کہتے ہیں۔

دوسرے دن میں نے یہ واقعہ اپنے احباب سے بیان کیا۔ انہوں نے اس کو خاص وعام میں مشہور کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر والئے شام کے کانوں تک پہنچی اُس نے مجھے دعوے نبوت کے ساتھ متہم کر کے اسی الزام میں قید کر دیا راوی حدیث کا بیان ہے۔ کہ اُس کا یہ حال سنکر مجھے سخت افسوس ہوا۔ میں نے ازراہِ ہمدردی اُس کا پورا حال لکھ کر حاکم شہر کو اپنی طرف سے اطلاع دی۔ اور خاص طور پر اُس کے لئے سفارش کی۔ اس نے میرے عرض حال کی پشت پر لکھ بھیجا کہ جس شخص نے اُس کو یہ قدرت دی۔ اور اس قابل کیا۔ اُسی سے کہا جاوے۔ کہ وہی آکر اُس کو چھڑا دیوے۔ مجھ کو اُس کا یہ جواب دیکھ کر سخت

افسوس ہوا۔ دوسرے روز میں اُس کے دیکھنے کو پھر قید خانہ گیا۔ دربانوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ تو رات ہی سے آپ ہی آپ غائب ہوگیا۔ نہیں معلوم کہ زمین کھا گئی۔ یا آسمان۔ تمام ملازمین مجلس انتشار و اضطرار میں گرفتار تھے۔ میں یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے روحانی اختیارات اور آپ کے کشف و کرامات کا قائل اور معتقد ہوگیا۔

اس واقعہ کو متواتر کہا گیا ہے۔ اور فریقین کے علمائے کرام نے اپنی اپنی معتبر اور مستند تالیفات و تصنیفات میں قلم بند فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں امام قندوزی بلخی نے ینابیع المودۃ میں امام شبلنجی مصری نے نور الابصار میں۔ ملا عبدالرحمٰن جامی نے شواہد النبوۃ میں۔ خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں اور خاوند شاہ ہروی نے روضۃ الصفا دفتر سوم میں انہیں مضامین کے ساتھ لکھا ہے۔

صاحب روضۃ الصفا نے خاص طور پر جناب محمد تقی علیہ السلام کے پرشہور اور جامع کلمات قلمبند فرمائے ہیں۔ وہو ہذا۔

العامل بالظلم والمعین لہ والراضی بہ الشرکاء ھم ظالم۔ ظالم کی اعانت کرنے والا۔ اور اُس کے مظالم پر راضی ہوجانے والا۔ حقیقت میں اُس کا شریک اور رفیق ہے۔ یوم العدل علی الظالم اشد من یوم الجور علی المظلوم عدالت کا دن ظالم کے حق میں مظلوم پر ظلم کرنے والے دن سے زیادہ سخت اور شدید ہے۔ اہل العلم غرباء لکثرۃ الجہال بینہم جب جاہلوں کی کثرت ہوجاتی ہے۔ تو اہل علم غریب اور ناپرسان ہوجاتے ہیں۔ الصبر علی المصیبۃ مصیبۃ للشامت بہا۔ صبر مصیبت پر ایسی مصیبت ہے۔ جو اُس مصیبت کے ساتھ ہے۔ اثنان علیلان۔ صحیح محتمی و علیل مخلط دو قسم کے لوگ ہمیشہ علیل ہیں۔ ایک وہ صحیح المزاج جو ہمیشہ اپنی صحت کی طرف سے مشکوک اور مشتبہ رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو مختلف اقسام کے امراض میں مبتلا ہے۔

تمت بالخیر و العافیۃ

الحمد للہ علی الاحسانہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ الطیبین
الطاہرین کہ بتاریخ دوم ماہ شوال المکرم یوم جمعہ ۱۳۲۸ھ ہجری نبوی صلعم
ایں کتاب تحفۃ المتقین را مرتب و مکمل ساختہ۔ اکنوں بہ تحریر نقل
کتاب دہم بپرداختم۔ الٰہی توفیق ایں حقیر سراپا تقصیر
را وسیع فرمایاد۔ بحق محمد وآلہ الامجاد
واخر دعوانا ان الحمد للہ
رب العلمین والصلوٰۃ
والسلام علی محمد
وآلہ الیامین المنتجبین
الی یوم الدین

المؤلف عبدہ احقر
سید اولاد حیدر فوق بلگرامی
عفاہ اللہ الحامی

کواتھ ضلع آرہ
۲ر شوال یوم جمعہ ۱۳۲۸ھ ہجری
نبوی صلعم

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی
حمائلِ شریف مترجم
بترجمۂ اہلبیت
جو لوگ سفر میں زیادہ رہتے ہیں یا جن لوگوں کو بڑے بڑے ضخیم اور وزنی قرآنوں میں
تلاوت کرنا دشوار گزرتا ہے اُن کے لیے یہ حمائل شریف ضرور نعمت غیر مترقبہ ہے۔
جو نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر نہایت خوشخط اور
صاف کمال احتیاط اور صحت کے بلیغ اہتمام کے ساتھ
مقبول پریس دہلی میں چھاپی گئی ہے متن میں کلام الٰہی
کی تلاوت فرمایئے اور حاشیہ پر مقبول ترجمہ کا لطف اُٹھایئے
اس حمائل میں صرف ترجمہ ہے حواشی تفسیری وغیرہ بصورت کتاب جداگانہ چھاپے جائینگے جنکا ہدیہ بھی
علیحدہ مقرر ہوگا۔ یہ حمائل شریف بلحاظ کاغذ تین قسموں پر مشتمل ہے۔ ہدیہ ہر قسم کا حسب ذیل ہے
قسم اوّل کاغذ اعلیٰ درجہ کا رنگین ۵ عہ قسم دوم۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا سفید ۴ للعہ قسم سوم۔ کاغذ ممی سفید ۔ ۳ عہ
المشتہر سید امین الدولہ مالک مقبول پریس۔ گندہ نالہ۔ دہلی

تفسیر مقبول
(حسب ارشاد اہلبیت رسولؐ)
یوں تو دنیا میں بے شمار تفسیریں ہیں اور ہمہ شما تفسیر لکھنے پر کمربستہ
نظر آتے ہیں لیکن قرآن جیسے مکمل و مدقق کلام الٰہی جسکا دعوے ہے کہ تمام
دنیا کے رطب و یابس اس میں موجود ہیں) کے سمجھنے اور تفسیر بیان کرنے
کے کچھ وہی حضرات اہل ہو سکتے ہیں جنکے گھر میں قرآن نازل ہوا ہو اور
منجانب اللہ اُسکے نقطہ نقطہ کے نکتہ نکتہ سے حقیقی طور پر آگاہ و باخبر کیے
جا چکے ہوں۔ چنانچہ ہم اُنہی حضرات یعنی ائمۂ اہلبیتؑ کے تفسیری
ارشادات کو ضمیمۂ مقبول کے نام سے ایک کتاب کی صورت
میں پیش کرتے ہیں۔ ان ارشادات تفسیری کو دیکھنا ہر مومن کا فرض ہے کیونکہ معرکۃ الآرا
مسائل کی تشریح مطابق فرمان رسولؐ و آل رسولؐ درج کیگئی ہے۔ یہ
نایاب کتاب بڑی خوشنما کتابی تقطیع پر نہایت خوشخط چھپی ہے اگر آپ بھی اس
سے مستفید ہونا چاہتے ہیں تو فوراً فرمائش لکھیے
ملنے کا پتہ سید امین الدولہ مالک مقبول پریس گندہ نالہ دہلی